سرسید کی بصیرت

اسرار عالم کی بے بصیرتی

اور

راشد شاذ صاحب کی کتاب

''متحدہ اسلام کا منشور'' - ایک جائزہ

مولانا سید سلمان حسینی ندوی

شعبۂ نشرواشاعت

جمعیۃ شباب الاسلام

ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ لکھنؤ۔۲۰

سرسید کی بصیرت

اسرار عالم کی بے بصیرتی

[اسرار عالم کی نئی کتاب ''سرسید کی بصیرت'' پر یہ تبصرہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی کا ہے، جس کو مستقل کتابچہ کی شکل میں شائع کیا جارہا ہے تاکہ ایک خطرناک فتنہ کا سدّ باب ہو]

مولانا سید سلمان حسینی ندوی

شعبۂ نشر واشاعت

جمعیۃ شباب الاسلام

ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ لکھنؤ-۲۰

تفصیلات کتاب

نام کتاب: سرسید کی بصیرت، اسرار عالم کی بے بصیرتی

نام مصنف : مولانا سید سلمان حسینی ندوی

کمپوزنگ وطباعت : باہتمام محمد عبدالرشید ندوی

ندوہ کمپیوٹر سینٹر دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

طابع وناشر: جمعیت شباب الاسلام ٹیگور مارگ لکھنؤ

سنہ اشاعت: جون ۲۰۱۲ء

تعداد: ۱۰۰۰/ ایک ہزار

قیمت: ۳۰/روپئے

ملنے کے پتے

۱-مکتبۃ الشباب العلمیۃ، برولیا، ٹیگور مارگ، لکھنؤ -۲۰

۲- مجلس تحقیقات ونشریات، پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوۃ العلماء، لکھنؤ-۷

۳- مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين،امابعد!

سلیقہ سیکھئے پہلے، اٹھایئے پھر جام
نہیں سلیقہ تو پینا بھی کیا ضروری ہے!

''سرسید کی بصیرت'' نامی کتاب کے منظر عام پر آنے سے تقریباً ڈیڑھ دہائی پہلے اسرار عالم (صاحب) کی درجن بھر سے زائد کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں، ان میں ''عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال'' نامی کتاب پر مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ صاحب کی تقریظ بھی نظر سے گذری تھی اور کتاب زیر مطالعہ رہی تھی، اُس وقت بھی ان کی ساری تحریروں میں ادعائیت، علمی انانیت، ماہ وسال کی تحدید کے ساتھ پیش گوئی کی بھرمار، انگریزی الفاظ یا اصطلاحات کے خودساختہ ترجموں سے بوجھل تحریریں، مآخذ اور حوالجات کا غیر ضروری انبار اور فکر اسلامی کے قالب میں مجذوبانہ اور راہبانہ خیالات بہت نمایاں تھے، لیکن ''سرسید کی بصیرت'' نامی کتاب میں تو اسرار عالم صاحب نے بے بصیرتی کے سارے حدود کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

تقریباً ایک دہائی سے عالَم کی یہ پراسرار شخصیت ایسی نظروں سے اوجھل ہوئی کہ کچھ اتا پتا نہ چلتا تھا، خیال ہوتا تھا کہ شائد ان کے دشمنوں نے انہیں غائب کر دیا ہو، اب جو دوبارہ انہوں نے ظہور ونمود فرمائی ہے تو وہ ہذیانی کیفیت اور متکبرانہ علمی وفکری اپج دکھائی ہے کہ ان کے دماغ کے سارے ملغوبے باہر آ گئے ہیں۔

''سرسید کی بصیرت'' کا تعاقب کرتے ہوئے مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے جو تیر ونشتر چلائے ہیں اور کتاب کے تکلیف دہ نمونے دکھائے ہیں، ان کو پڑھتے ہوئے راقم کے ذہن میں بار بار ایک نفسیاتی، مالیخولیائی مریض کی تصویر ابھرتی رہی، جو لڑکپن اور جوانی میں بڑا

ہی ذہین اور فطین اور کتابوں کا کیڑا رہا ہو، جس کے ہاتھ جو کتاب آئی ہو چاٹ گیا ہو، جو پڑھتا ہر چیز ہو مگر بے ترتیب و بے ہنگم، پھر دھیرے دھیرے بسیار خواندگی کی اسے ایسی لت پڑ گئی ہو کہ مستقل بدہضمی کا شکار رہتا ہو اور کشاں کشاں نفسیاتی بیماری کا شکار ہو کر مالیخولیا میں مبتلا ہو گیا ہو۔ کسی ایسے نوجوان لڑکے یا لڑکی کو آپ نے بھی ضرور دیکھا ہوگا، جس پر (عوامی خیال میں) جن سوار ہو جاتا ہے، وہ تشنج کا شکار ہوتا ہے، اس کے منہ سے جھاگیں نکلتی ہیں، آنکھوں میں حیرت زدگی و سراسیمگی نمایاں ہوتی ہے، بلا کی طاقت اس کے اندر بیدار ہو جاتی ہے، کبھی بڑی بڑی باتیں کرتا ہے اور کبھی فصیح زبان میں لکچر دینا شروع کر دیتا ہے، اس کا ذہنی توازن جوں جوں بگڑتا جاتا ہے اس کے اول فول بکنے کی عادت پختہ ہوتی جاتی ہے، اگر کوئی اجنبی بے روک ٹوک بولتے ہوئے اسے سن لیتا ہے تو اسے خطابت کا شاہکار سمجھتا ہے، مگر چند ہی لمحے میں اس کے سامنے اس کی دیوانگی کی قلعی کھل جاتی ہے کہ اس آدمی کا دماغ خراب ہو گیا ہے، یہ پاگل ہو گیا ہے اور مینٹل ہاسپٹل کے علاوہ اس کی کوئی دوسری جگہ نہیں ہے۔

پھر اسرار عالم صاحب نے اپنی کتاب میں ہندوستان میں ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' کی آمد کا جو مقصد بیان کیا ہے، اسے پڑھتے ہوئے میرے ذہن میں اچانک غلام قادیانی کا سراپا، اس کا علمی و فکری بڑھاپا، انگریزوں کو خوش کر کے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لئے ان کی چاپلوسی اور کفش برداری اور برطانیۂ عظمی کو اولی الامر باور کرانے کی خاطر جی جان کھپا دینے، نتیجے میں انگریز آقاؤں کی جانب سے مسیح موعود اور ظلی و بروزی نبی، پھر کمپلیٹ نبی بننے کی پوری تاریخ متحرک ہو گئی۔

مرزا قادیانی کا ذکر چھڑا تو ایک حکایت یاد آئی کیونکہ اسرار عالم اور ڈاکٹر شاز پر یہ حکایت خوب سجتی اور پھبتی ہے۔

''مرزا صاحب اور عقل میں ہمیشہ ٹھنی رہتی تھی، لیکن جب مرزا نے نبوت کا دعوی کیا تو پوری قادیانی برادری اور عقل کے درمیان سخت جنگ چھڑ گئی، آخر بڑے رد و کد کے

بعد دونوں فریقوں نے طے کیا کہ کسی دانا سے فیصلہ کروانا چاہیئے، دانا نے ہر دو فریق کے دلائل سننے کے بعد اپنا فیصلہ صادر کیا کہ آج کے بعد نہ عقل قادیانیوں کے پاس جائے گی اور نہ ہی قادیانی عقل کے قریب پھٹکیں گے، فریقین نے خوشی خوشی اس فیصلے کو قبول کیا، دستاویز پر دونوں فریقوں کے دستخط بھی ہو گئے اور دونوں تا حیات ایک دوسرے سے نہ ملنے کے معاہدے پر کار بند بھی رہے''۔

''سرسید کی بصیرت اور اسرار عالم کی بے بصیرتی'' میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب نے اسی بدعقلی، بدفکری، علمی بدہضمی، مالیخولیائی پیش گوئی، وحی شیطانی اور ہذیانی اسرار و کیفیات کی مختصر مگر اجلی اجلی تصویر دکھائی ہے۔

اسی ڈگر پہ ڈاکٹر راشد شاذ بھی بھاگے جا رہے ہیں۔اسرار عالم اپنی حالیہ زیر بحث تصنیف بے لطیف سے پہلے راشد شاز سے ہسٹریائی خیالات کے اظہار کے ریس میں کافی پیچھے چل رہے تھے، فی الحال دونوں کے درمیان کانٹے کا مقابلہ چل رہا ہے۔ماضی میں ''بانگ حرا'' کے کسی شمارے میں راشد شاز کی کتاب ''اسلام: مستقبل کی بازیافت'' پہ اس عاجز کا تبصرہ شائع ہو چکا ہے، تب انہوں نے اپنی ذہنی گندگی، فکری پراگندگی اور اسلام کی عمارت کو ڈائنامیٹ سے اڑانے کی پلاننگ کا کھل کر اظہار نہیں کیا تھا۔اب ''متحدہ اسلام کا دستور'' میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ شاز کے ''شذوذ'' ہی نہیں بدعقلی، نفسیاتی بیماری، فکری ژولیدگی اور دیوانے کی بڑ کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

وہ ایک دھبہ ہیں علم و آگہی کے نام پر
تیرگی پھیلا رہے ہیں روشنی کے نام پر

راقم یہ نہیں سمجھ پا رہا ہے کہ ان دونوں مصنفین کی دیدہ زیب اور طباعت کے اعلی معیار پر چھپی ہوئی کتابوں میں یہ بیمار فکر، یہ بہکی بہکی باتیں، یہ کرخت اور بھونڈا اسلوب، نصیحت و خیر خواہی کا کون سا موثر طریقہ اور مثبت علمی تنقید کا کون سا دلبر انداز ہے!! کیا دنیا

میں اصلاح کا کام کرنے والوں کی زبان وقلم سے ایسا ہی زہر انڈیلا جانا چاہئے۔" الدین النصیحة" کا فرمان رسالت تو ضرور نظروں سے گزرا ہوگا، حدیث کا یہ ٹکڑا آپ کی کم رس نگاہ میں " ربیائی یہودی اثر" ٹھہرا تو قرآن کریم کھول کر انبیاء کی دعوت واصلاح کے طریقے پر غور فرمالیجئے ،فرعون جیسے اکفرالکافرین کو بھی مخاطب کرنے کے لئے اپنے برگزیدہ نبی کو کیا ادب سکھایا گیا۔مسلمانوں کے پورے ملی سرمایے اور صدیوں سے محفوظ چلے آرہے دینی اور علمی اثاثے کو آپ کوڑا کرکٹ جان کر آگ کے حوالے کردیں اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ ہم اصلاح اور نشاۃ ثانیہ کا بیڑا اٹھائے کھڑے ہیں،لوگ آئیں اور آنکھ بند کر کے ہمارے پیچھے چل پڑیں!!

اسرار عالم اور ڈاکٹر شاز کی کتابیں ان کے ہسٹریائی مریض ہونے کی کھلی شہادت فراہم کررہی ہیں، دنیا میں ہر بیماری کا علاج ممکن ہے،اگر ان مریضوں کی عقل تمام تر ماؤف نہ ہوگئی ہوتو ان کی شفایابی کے لئے توبہ واستغفار کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے، یہ اپنی بیماری کا سنجیدگی سے،اپنی بھلائی کی خاطر جائزہ لیں اور ان کا ضمیر (نفس لوامہ) کہے کہ وہ بیمار ہیں اور انہیں یہ اعتراف بھی ہو کہ انہوں نے اسلام دشمن باطل طاقتوں کے اشارے پر اپنے مغربی یا صہیونی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے اور بدلے میں حقیر متاع پانے کیلئے یہ کام کیا ہے اور کر رہے ہیں،تو پھر وہ خدا کے حضور توبہ کریں ،ان کے اس عمل میں کوئی عالم ،کوئی مفسر،کوئی محدث،کوئی فقیہ(جن سے آپ کو سخت الرجک ہے)ان کیلئے روڑ انہیں بنے گا۔

اوراگر یہ اپنا تمام تر شعور کھو بیٹھے ہیں اور ہسٹریا اور دیوانگی نے پوری طرح انہیں دبوچ لیا ہے،تو ان کے گھر کے لوگوں یا ان کے مریدین ومحبین کو چاہئے کہ کسی روحانی حکیم وطبیب کو دکھلائیں۔

دیکھئے! آپ کے یہ مریض کسی حکیم کے پاس کسی صورت نہ جانا چاہیں گے،آپ پکڑ دھکڑ کر اور رسیوں سے باندھ کر لے انہیں لے جائیں گے تو حکیم کی صورت دیکھتے ہی یہ اپنی

علم دانی کا پٹارہ کھول دیں گے اور حکیم صاحب بے چارے ان کی ''علمی قابلیت'' سے مبہوت وششدر رہ جائیں گے۔آپ حکیم صاحب کو ان کے بچپنے سے لے کر اب تک کا سارا کچا چٹھا سب بتا دیں۔آپ ان سے کہیں کہ حکیم صاحب! ان کی اصل بیماری یہی ہے کہ یہ بچپن سے الم غلم چیزیں بے تحاشہ پڑھتے رہے ہیں اور چھوٹے سے دماغ میں ایک کتب خانہ اتار لیا ہے، پڑھنے کو تو انہوں نے اپنی محنت اور ذاتی مطالعہ سے دنیا کی سب سے عظیم کتاب (قرآن) بھی پڑھا ہے، مگر اس کے ایک ایک نسخے (آیت) کو دنیا کے سب سے بڑے طبیب روحانی (ﷺ) نے برت کر اس کا از حد مفید ہونا ثابت کر دکھایا ہے، اور جس نسخے کی افادیت ۱۵ سو سال سے معمولاً مسلم چلی آ رہی ہے، جس کی نفع بخشی پر ہر دور کے باکمال انسانوں کا اتفاق رہا ہے، اس آزمودہ نسخے کی عملی شکل کو اور اس کے ایک نسخے کی توضیح وتشریح کو (جو ماہرین فن کے ہاتھوں انجام پائی ہے) تسلیم نہیں کرتے، حکیم صاحب! بسیار خواندگی، عزلت پسندی، علاج ومعالجے سے فرار، غرور علم کی بنا پر احساس برتری پھر انسانی معاشرے میں اپنی بے وقعتی کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار ہو جانا ان کی بیماری کی اصل جڑ ہے، پھر اجتماع نقیضین (احساس برتری اور احساس کمتری) نے ان کے اندر درد اور درماں، مرض اور مسیحا کے خلاف سخت انتقامی ردعمل پیدا کر دیا ہے، ہمارا یہ مریض ہر اس گروہ کو جو دینی وروحانی حیثیت میں علماء، فقہاء، صوفیاء، مفسرین، محدثین، مصلحین، مجددین اور مفکرین کے وغیرہ ناموں سے جانے جاتے رہے ہیں، ان کو دشمنِ دین وملت، سازشی، خائن، غدار اور فریبی سمجھتا ہے، حکیم صاحب! ان کی بیماری بہت پرانی اور تہہ در تہہ پرتوں میں لپٹی ہوئی ہے اور ان کی نس نس ان مذکورہ بالا گروہوں کی نفرت رچی بسی ہے۔

راقم کا یہ خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ کسی اچھے طبیب روحانی کو تلاش کریں اور صبر وپابندی کے ساتھ حکیم صاحب کا علاج کراتے رہیں، انشاءاللہ ضرور فائدہ ہوگا، کسی نفسیاتی امراض کے معالج = سائکاٹرسٹ (Psychiatrist) کو بھی دکھا سکتے ہیں مگر یہاں شفایابی کا

امکان بہت کم ہے۔

مولانا سید سلمان حسینی صاحب زید مجدہم نے اپنی اس مختصر تصنیف (جو بقامت کہتر بقیمت بہتر کی مصداق ہے) میں ہر دو شخصوں کی ظلماتی دنیا کے چند خدوخال کی نشاندہی کی ہے، یہ کوئی علمی جائزہ اور سنجیدہ تنقیدی مطالعہ نہیں ہے کیونکہ یہ ژولیدہ تحریریں اس قابل ہی نہیں ہیں کہ ان کا علمی جائزہ لیا جائے، ان دونوں ذہنی، فکری، اور نفسیاتی مجرموں نے قصر اسلام کو زمین بوس کر دینے (ڈائنامائٹ سے اڑا دینے) کی احمقانہ جرأت دکھائی ہے اور مولانا نے صرف ان باغی اور شہ زور مجرموں پر اینٹ پتھر برسائے ہیں۔

حضرت مولانا سلمان ندوی آپ کا شکریہ کہ آپ نے یہ جرأت مندانہ اقدام فرمایا اور اپنی بے باک تحریر کے آئینہ میں مجرم کو اس کا کریہہ چہرہ دکھا کر پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے فرض ادا کر دیا ہے۔حریف کو دنداں شکن جواب دینے کا یہ جرأت مندانہ حق آپ ہی کا حصہ ہے۔

ہاں قاری سے یہ ضرور عرض کرتا چلوں گا کہ آپ پریشان نہ ہوں اسرار اور شاز جیسے لوگوں کی ہذیانی باتیں آپ کی دینی وابستگی کا بال بیکا نہ کر سکیں گی، مدارس کے لوگ تو انہیں پہلے ہی نظر انداز کر چکے ہیں، علی گڑھ کے دین پسند طلبہ بھی انہیں آنکھ نہ لگائیں گے، نہ ذہن میں جگہ دیں گے، کیونکہ بقول اسرار عالم ''سرسید کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ وہ ''مولوی'' تھے ، پھر تو سرسید کے مداح بھی مولوی قرار پائیں گے، رہے دیگر جامعات کے عصری طلبہ تو ان کی اردو دانی ویسے ہی کمزور ہے اور بقول مولانا مجیب اللہ ندوی ''اسرار صاحب کی جناتی زبان'' ان کے کچھ پلے پڑنے والی نہیں ہے۔اس لئے صہیونی دام فریب کے شکاران دو مصنفین کی تحریر سے اسلام اور مسلمانوں کا کچھ بگڑنے نہیں جا رہا ہے، خطرے سے آگاہی پانے کے لئے مولانا سید سلمان صاحب کے کتابچے کا انتظار کیجئے، یقیناً تنہا اس کا مطالعہ صحیح چہرہ دکھا دے گا۔

کتبہ محمد علاء الدین ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۸/۵/۲۰۱۳ء

''سر سید کی بصیرت''
اسرار عالم کی بے بصیرتی

جناب اسرار عالم صاحب ایک پر اسرار شخصیت کے حامل ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ ان کا اس بے رنگ و نور، تاریک اور ظلماتی دنیا میں کب نزول ہوا، لیکن ان کی نگارشات، تحقیقات، اجتہادات، نت نئے لطائف اور پیچیدہ اور ژولیدہ تعبیرات، انگریزی سے بوجھل اصطلاحات، صہیونی، یہودی، ماسونی، مصادر و مآخذ کے تاثرات، الجھی نفسیات اور ذہنی اضطرابات کا بار بار مطالعہ اور ملاحظہ کرنے کے بعد ان کے بزرگوں کی بصیرت پر اطمینان ہوا کہ انھوں نے "الأسماء تنزل من السماء" کی حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے، نومولود کا نام ''اسرارِ عالم'' رکھا۔

جناب اسرار عالم کی پر اسراریت، دقیقیت، عمیقیت، وسعت، طول وعرض، علو و نزول، اور نت نئے ابعاد کی کیفیت یہ ہے کہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی شوق میں دسترخوان کی ہر چیز بلا حد و حساب کھاتا چلا جائے، اور اس کے بعد اس کو شدید بدہضمی کی شکایت ہو، ڈکاریں آئیں، متلی اور قے اور اسہال سے بدحال ہو جائے۔

کچھ وہی کیفیت ان کی معلومات کی بدہضمی کے ساتھ ہے، وہ ہر چیز پڑھتے ہیں، معلومات کا ڈھیر جمع کرتے ہیں، پھر اس کو دماغ میں خلط ملط کر لیتے ہیں، مذہب، لا مذہبیت، دین، لادینیت، ادریت، لا ادریت، اشتراکیت، اشتمالیت، رأس مالیت، سیکولرزم، لبرلزم، کیپٹلزم، کمیونزم، ادھر ادھر سے قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، توراۃ، انجیل، تلمود، مدرش، مشنی، آیرن، بیرن، اسٹلمین اور نہ جانے کن کن خرد ماغوں کی مالیخولیائی افکار کے مجموعے، تراشے، کتابیں، کتابچے، انھوں نے اپنے دماغ کے ایک بیمار سل (cell) میں داخل کر لئے ہیں، جس سے ایک علمی، فکری، نظریاتی، توہماتی، نفسیاتی، بدہضمی کی ایک عجیب الخلقت، نادر الوجود، طرح طرح کے رنگ و آہنگ کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے، جس کے اعصابی دوروں کے وقت ان پر ایک ''پر اسرار وحی شیطانی'' کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، جس

کو وہ اپنے ذہنی پس منظر، اور نفسیاتی ہیجان، اور شعور ولاشعور و بے شعور کی حالتِ کش مکش میں لکھتے چلے جاتے ہیں، دوسری طرف کچھ ان کی حالت جذبی کے دیوانے، اس ''پراسرارِ وحی'' کو مرتب کر کے شائع کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں، بہر حال امت میں ماضی میں بھی ''مجاذیب'' کی کمی نہیں رہی ہے، اس نئے دور کا ''مجذوب'' بھی صرف روحانی باتیں، اور عالم علوی کے دعوؤں پر اکتفا نہیں کرتا، وہ زمین وآسمان کے قلابے ملاتا ہے، کبھی اس کو امت کے عروج وزوال اور کبھی دجال اور کبھی دیگر تمدنی اور تہذیبی فتنوں کا سامنا ہوتا ہے، تو اس کی حالت جذبی، شنیدنی اور دیدنی ہوتی ہے، اور پھر وہ انگریزی اصطلاحات اور ان کے نوتراشیدہ اردو تراجم کی ہڑبڑاہٹ میں پوری وحی کو کاغذ پر منتقل کر دینے کی ٹھان لیتا ہے۔

آخری وحی اس مجذوب پر یہ آئی تھی کہ شہروں، دیہاتوں اور آبادیوں کو چھوڑ کر اب سوائے پہاڑوں کی چوٹیوں، غاروں، اور صحراؤں اور ویرانوں کے روئے زمین پر کوئی جگہ نہیں رہ گئی ہے۔

اس وقت یہ خیال ہوا تھا کہ چلئے مفکروں اور دانشوروں کا یہ ''مجذوب'' کسی صحراء میں منتقل ہو گیا ہوگا، یا کسی پہاڑ کے غار میں زندگی کے بقیہ دن بسر کر رہا ہوگا، قسّیسین اور رہبان کی صحبتوں میں انجام کار آخر بخیر ہوا ہوگا۔

ایک طویل عرصہ اسی صورتحال پر گذر گیا، لوگوں سے پوچھتا تھا کہ ''اسرار عالم'' کہاں گئے، تو لوگوں کو زندگی کی ہماہمی میں ایسا مشغول پاتا تھا کہ جواب لاعلمی کا ملتا تھا۔

اچانک غلغلہ سنا کہ پراسرار شخصیت دوبارہ نمودار ہوگئی، اس مرتبہ ''سرسید'' کی روح میں حلول کر کے نئے پیرہن میں نئی وحی کے ساتھ، نئے اوزار اور ہتھیار لے کر جنوری ۲۰۱۳ء میں پہلی بار، پھر مارچ ۲۰۱۳ء میں دوسری بار ظہور فرمایا، شور ہے اس مرتبہ ''سرسید کی بصیرت'' کا اور علماء کی نحوست، شرارت، اور خباثت کا، قرآن کی تحریف، حدیث کے انکار، فقہ پر لعنت، حکمرانوں اور ملاؤں پر سب وشتم، تاریخ اسلام پر خطِ نسخ پھیرنے اور اس کار عظیم کے لئے مغربی شیطانوں سے ہر قسم کی مدد لینے کا۔

پہلے ''سرسید کی بصیرت'' کا حشر دیکھئے:

''ا۔ کیا مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ اپنا مقصدِ وجود (Raison d'etre) مکمل طور کھو چکی ہے؟'' آج مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ جا کر ذہن میں آنے والا سب سے پہلا سوال یہی ہوتا ہے، وہاں کی ذہنی، فکری، علمی، تعلیمی، تدریسی، تدریبی، اخلاقی اور معاشرتی صورت حال کا بچشم خود مشاہدہ کر کے ایک باخبر اور حساس انسان تاریخ کے ان ہولناک منظر ناموں میں کھو جاتا ہے، جن کے نتیجہ میں یہ عظیم الشان یونیورسٹی قائم ہوئی تھی، تاریخ کا ہر موڑ اور تاریخی شاہراہ کا ہر سنگ میل اس سے سوال کرتے ہیں: یہ یونیورسٹی کس پس منظر اور کن حالات میں قائم کی گئی تھی؟ اس کے بانی مبانی کے پیش نظر 'اصل خاکہ' کیا تھا؟ کیا سرسید کا قائم کردہ مدرسۃ العلوم/اینگلو محمڈن اورینٹل کالج علی گڑھ (1875) جو 1920 میں مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے نام سے موسوم ہوا، سرسید کے بعد فی الواقع انہیں خطوط اور بعینہ انہیں اصولوں پر پروان چڑھا، جو اس کا 'اصل خاکہ' تھا؟ کیا وہ تعلیم گاہ اب بھی انہیں خطوط پر قائم ہے یا اب ان اصولوں اور مقاصد کا گورستان (Graveyard) بن کر رہ گیا ہے؟

۲۔ کیا مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ امت میں اصلاح و تعمیر کرنے والوں کا کشت راز (Nursery) ہے، یا مُزمِن، مُمراض، معطل، مفلوج اور ناکارہ لوگوں کی عیش گاہ؟

۳۔ کیا مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ رفتہ رفتہ بے علم، بے ہنر، ناکارہ، بے حوصلہ، بے مقصد، بے عزم، ژولیدہ فکر، ریاکار، خود غرض، ذہنی غلام، ہوس پرست، بے حس، بے غیرت، دریوزہ گر، زلہ ربا، کاسہ لیس، حاشیہ بردار اور اُلش نصیب طفیلیوں (Parasites) کا مسکن (Habitat) اور مامن (Safe Haven) بن کر رہ گئی ہے؟

۴۔ بالخصوص گزشتہ ساٹھ سالوں کے دوران مسلم یونیورسٹی کورٹ (Muslim University Court)، اکادمک کاؤنسل (Academic Council) اور ایکزیکیوٹیو کاؤنسل (Executive Council) کے علمی (Intellectual)، تعلیمی (Academic)، تدریسی (Pedagogical)، نصابی (Curricular)، تربیتی (Institutional)، معلّمی (Educational)، ہدایتی

(Instructional)، توسیعی (Developmental)، اور انتظامی (Executive) فیصلوں (Decisions) اور ہدایات (Rulings) کے بیشتر حصوں کو دیکھتے ہوئے قطعاً محسوس نہیں ہوتا کہ یہ ایسے ایوانوں اور ہیئتوں کے لئے کئے گئے فیصلے ہیں، جو صاحبان بصیرت (Visionaries) اور خلّاق (Innovative) یا کم از کم باخبر (Informed) لوگوں کی معمولی اکثریت پر بھی مشتمل ہوں۔

ہمہ دم متبدل ماحول کے باوجود ایک ایک فیصلے کا تجزیہ یہی باور کراتا ہے کہ فیصلے کرنے والوں کی اکثریت دماغی اور ذہنی طور پر Sterile, Visionless اور Mediocre افراد پر مشتمل ہوگی جن کے طبائع Moron اور Parasitic ہو چکے ہوں اور جن کی شخصیت میں ایسے رجحانات راسخ ہو چکے ہوں جنہوں نے انہیں مکمل طور پر Poodle, Nincompooop, Humpty Dumpty اور Uncle Tom بنا دیا ہو۔'' (دیکھئے ''سر سید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص: ۱۳ تا ۱۴)

''مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ گزشتہ ساٹھ سالوں سے مسلسل انحطاط کا شکار ہے، رفتہ رفتہ یونیورسٹی میں آنے والا یہ انحطاط گزشتہ صدی کے ساٹھ کی دہائی میں انحدارِ شدید (Free Fall) کی صورت اختیار کر گیا، آج مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں فکری، علمی، تعلیمی، تدریسی، تحقیقی اور اخلاقی صورتحال ناگفتہ بہ ہے، یہ صورتحال نہ صرف مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے ہمہ گیر انحطاط کی عکاس ہے، یہ صورتحال اس بات کو بھی واضح کرتی ہے کہ انحطاط مسلم معاشرے میں کس درجہ راسخ ہو چکا ہے۔

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ جا کر بچشم خود مشاہدہ اور برسر زمین (On the Spot) جائزہ یہ بتاتے ہیں کہ وہاں موجود تمام بارہ فیکلٹیوں اور ان کے تحت قائم تقریباً سو شعبوں، اداروں اور مراکز میں مخلص، پیشہ ورانہ طور پر ذمہ دار اور جواب دہ، انتھک محنت کرنے والے، صاحبِ بصیرت، صاحبِ جودت، بے لوث، مستقبل آگاہ اور بیدار مغز اساتذہ اور برسر کار اہلِ فن کی تعداد کتنی سرعت کے ساتھ کم ہوتی جا رہی ہے، گزشتہ پچاس سالوں میں ان کے اعصاب پر مسلسل نہایت برے اثرات مرتب ہونے کا سلسلہ جاری ہے چنانچہ ایسے اشخاص اب برائے نام رہ گئے ہیں وہ بھی بے

بس، مجبور، بے نوا، غیر مؤثر، محصور اور اچھوت (Untouchable)۔

ان کے برخلاف گزشتہ ساٹھ سالوں کے دوران مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں بے علم، غیر مخلص، پیشہ ورانہ طور پر غیر ذمہ دار اور غیر جوابدہ، ناکارہ، بے بصیرت، خود غرض اور تھرڈ دلے اساتذہ کی تعداد تیزی سے بڑھتی چلی گئی، ظاہر ہے 'مسلم قیادت' کی ترجیحات، مسلم معاشرے کے بدلے احوال، مسلم یونیورسٹی کورٹ، اکادمک کاؤنسل، ایکزکیوٹیو کاؤنسل اور سب سے بڑھ کر خود امیدواران کی اپنی طبع اس کی اصل ذمہ دار ہے، آج ایسے افراد یونیورسٹی سے باہر اور یونیورسٹی کے اندر تقریباً حاوی، بارسوخ، مؤثر اور ہمہ گیر ہو چکے ہیں۔

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں گزشتہ سالوں میں علم اور تحقیق کی تمام اساسیات (Fundamentals) منجمد ہو کر رہ گئی ہیں، علم (Knowledge)، معلومات (Information)، حسّاسیت (Sensitivity)، مستقبل آگاہی (Prescience)، ادراک (Perception)، تحقیق (Research) اور تخلیق (Creativity) کی دنیا میں خیال (Idea)، فرضیہ (Hypothesis) اور نظریات (Theories) دینے، دانشی اختراق (Intellectual Break-through) کرنے، مرجع گروہ (Reference Group) اور حَکَم (Referee) بننے اور بنے رہنے کی Potential Ability مفقود ہو گئی ہے، ایسا لگتا ہے کہ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے اساسی (Fundamental) شعبے اپنی حرارت غریزی کھو چکے ہیں، شعبۂ تاریخ، شعبۂ السنہ، شعبہ لسانیات، شعبۂ دینیات، شعبۂ علوم اسلامیہ، شعبۂ طبیعات، شعبۂ کیمیا، شعبۂ حیاتیات، شعبۂ ریاضی، شعبۂ جغرافیہ، شعبۂ ارضیات وغیرہ کم وبیش علم اور تحقیق کے اعتبار سے بظاہر گورستان (Graveyard) میں بدل چکے ہیں، ان شعبوں میں ایسے مضامین اور اصناف کی تعلیم وتدریس جن سے فرد اور معاشرے میں Potential پیدا ہوتی ہے، مضامین اور اصناف کے ایسے گوشوں پر تحقیق اور تحقیقی صلاحیت پیدا کرنا جن سے ان مضامین میں فرد اور معاشرے کو تحقیقی تخصص حاصل ہوتا ہے، ان تخصصات کے ایسے افادے جن سے کسی فرد، یونیورسٹی اور معاشرے کا 'علمی تفوق' یقینی ہو جاتا ہے رفتہ رفتہ ختم کر کے رکھ دیئے گئے ہیں۔

مسلمانوں میں عام طور پر یہ بات پھیلی ہوئی اور تسلیم شدہ ہوگئی ہے کہ ان تباہیوں کی سراسر ذمہ داری حکومت کی 'عدم توجہی' اور اکثریتی فرقے کے 'تعصب' پر جاتی ہے، 'مسلم قیادت' اور ملت میں پھیلے ان کے اعضا، جوارح اور ذرائع ابلاغ نے امت کو عام طور پر یہی تاثر دیا ہے، بہ نظر غائر مطالعہ، مشاہدہ اور تجزیہ اسے نادرست قرار دیتے ہیں، یہ سراسر خلاف واقعہ اور بے اصل بات ہے، سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ خود حکومت اور اکثریتی فرقے نے اس بے اصل الزام کی کبھی مؤثر اور مدلل تردید نہیں کی''۔

(''سرسید کی بصیرت''مصنف:اسرار عالم ص:۲۱تا۲۳)

ایسا لگتا ہے کہ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں موجود فیکلٹیوں اور ان کے تحت قائم تقریباً سو شعبوں، اداروں اور مراکز میں موجود اور برسرکار اساتذہ اور تحقیقی موجہین (Research Guides) کی ذہنی، فکری، علمی، دماغی اور عقلی طبع میں درج ذیل امور غالب ہو چکے ہیں:

کثیر انضباطی علمی اساس کا فقدان۔

(Lack of Multi-Disciplinarian Knowledge Base)

امتیازی خصوصیت کا فقدان (Lack of Excellence)

عدم خلاقیت یا متوحش طبع (Uninnovativeness or rather Anti Innovative Temperament)۔

درسی کتب معلومات یعنی ثلثی، ثانوی اور اولین ماخذ سے براہ راست مستفاد معلومات کا فقدان (Tex-Book Based Knowledge i.e, Lack of knowledge based on tertiary, Secondary and Primary Source materials)

کمترین کام چلاؤ درسی کتاب فہمی (Minimal working Text-Book understanding)

وجودیات، نشویات اور علمیات کے میدان میں بدسلیقہ تخفیف پسندی (Uncouth Reductionism in the field of Ontology, Ontogenesis and

(Epistemology

بدترین لسانیاتی استعداد کا حامل ہونا(Poorest of the Poor Language
(Aptitude

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص:۲۳تا۲۴)

''چنانچہ یہی سبب ہے کہ آج مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے اکثر اساتذہ کے حوالے سے خلاقیت (Innovation) اور تخلیقیت (Creativeness) کا ذکر از حد مضحکہ خیز (Ridiculous) ہے، اسّی فیصد اساتذہ بوزینی نقالی (Mimesis & Mimicry) پر بھی قادر نہیں، یونیورسٹی کے اساتذہ کی اکثریت مغربی دنیا میں پائے جانے والے تیسرے درجے کے ماہرین فن کو بھی، جن کی باتیں عموماً ثلثی مآخذ اور مصادر(Tertiary Source Meaterials) پر مشتمل ہوتی ہیں، سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتی، چہ جائے کہ مغرب میں پائے جانے والے ماہرین فن کو جن کی باتیں ثانوی اور اول درجے کے ماخذ ومصادر (Secondary or Primary Source Materials) پر مشتمل ہوتی ہیں، رہے مغرب میں پائے جانے والے ایسے ماہرین فن جن کی باتیں ماورائے اول درجہ (Ultra-Primary Sources) سے متعلق ہوتی ہیں، تو یہ اساتذہ ان کے وجود سے بھی واقفیت نہیں رکھتے، خواہ ان ماہرین کا تعلق شعبۂ سائنس سے ہو یا سوشل سائنس یا آرٹس سے، یہی سبب ہے کہ عالمی سطح پر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے مٹھی بھر اساتذہ کو چھوڑ کر بقیہ اساتذہ عموماً مغربی علوم کے حمالوں کی صف بندی میں تیسری صف کے آخر میں نظر آتے ہیں، چنانچہ حالیہ زمانے میں مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے اعلی ترین اساتذہ کی باخبری یا بے خبری کا ایک واقعہ سامنے آیا:

ایک کتاب امریکہ میں ۲۰۱۱ء میں شائع ہوی، اس کتاب کے ماورائے اولین متن (Archetype Version) اور اولین متن (Prototype Version) پچھلے دس سالوں سے شائع ہوکر زیر بحث آرہے تھے، ۲۰۱۱ءعیسوی میں اس کتاب کی باضابطہ اشاعت کے بعد بلامبالغہ یورپ، شمالی امریکہ اور آسٹریلیا کے علمی اور فکری حلقوں میں تہلکہ سا مچ گیا، سینکڑوں ماہرین فن نے اس پر تبصرے کئے یا اپنے مضامین اور

خطبات میں اس کے حوالے دیئے، جب اس کتاب میں زیر بحث آئے ایک مسئلے پر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے اجل اساتذہ سے اظہار خیال کے لئے گزارش کی گئی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ کسی ایسی 'کتاب' سے سرے سے واقف ہی نہیں۔

دنیا میدانِ عمل ہے، اس میدان میں ہمہ وقت افراد اور قوموں کے مابین مسابقت (Competiton) جاری ہے، چنانچہ اسی کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ کوئی قوم راکب ہو جاتی ہے تو کوئی اس کا مرکب، لیکن انسانی تاریخ میں تضاد کبھی واقع نہیں ہوا، اس میدانِ عمل میں ہمیشہ وہی قوم راکب ہوئی جو خلاق (Innovative) واقع ہوئی، جو قوم خلاق (Innovative) ہے، اقدام (Initiative) کی کلید اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے، خواہ احوال اس قوم کے موافق (Favourable) ہوں یا ناموافق (Unfavourable)، خلاق (Innovative) قوم دوسری قوم کے چبائے ہوئے لقموں کو چباتی ہے نہ ماضی کا بہاؤ کا مجری بنتی ہے، وہ میدان عمل سے راہ فرار بھی اختیار نہیں کرتی، ایسی خلاق قوم اپنی خلاقیت اور اقدام سے نئی دنیا خلق کر کے نئی تاریخ رقم کرتی ہے۔

گزشتہ ساٹھ سالوں میں 'مسلم قیادت' کے زیر سرپرستی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کورٹ (AMU Court)، اکادمک کاؤنسل (Academic Council)، ایکزکیوٹیو کاؤنسل (Exective Council) اور یونیورسٹی اساتذہ کے اکثر فیصلے، ان کی تعمیل اور ان کا مابعد احتساب (Accountability) خلاقیت (Innovation) سے کلیۃً عاری ہیں، ظاہر ہے کہ برسرزمین حقائق 'نظارۂ متخیلہ' نہیں بلکہ 'ٹھوس حقائق' ہوتے ہیں جو افراد اور اجتماعیات کو صرف نظر کرنے (Overlook) یا شتر مرغ کی روش اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتے، خلاقیت (Innovation) سے کلیۃً عاری 'مسلم قیادت' یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد اور بالخصوص اساتذہ پر عارض اسی 'جبر' نے انہیں تین باتوں کے لئے مہمیز کیا، یہ تین باتیں ہیں:

ا۔ 'مسلم قیادت' کا اپنے عدم خلاقیت کے نتیجے میں رونما ہونے والی ناکارکردگی اور ناکامی کے لئے وجہ جواز پیدا کرنا (To rationalise the failure due to

(the uninnovativeness of the 'Muslim Leadership'

۲۔ 'مسلم قیادت' کا اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے وجہ جواز پیدا کرنا (To

(acquire self-contentment on the failure of their activities

۳۔ 'مسلم قیادت' کی کھلی ناکامی، ناکارکردگی سے مسلمانوں کے لئے بذریعہ اخراج جذبہ تسکین کا سامان کرنا۔(To provide Catharisis for

(Muslims to escape the pangs of failure

۴۔ 'مسلم قیادت' کا اپنے حقیقی ہدف تک رسائی کو یقینی بنانا (To ascertain

(the reach to the real target of the Muslim Leadership

چنانچہ یہی وہ چار داعیے تھے جنہوں نے 'مسلم قیادت' کو بیسویں صدی کی بالخصوص ساٹھ کی دہائی میں درج ذیل ترجیحات کے لئے ابھارا:

۱۔ سرکاری ظلم، حق تلفی، بے اعتنائی اور مداخلت کا رونا-رونا۔

۲۔ اکثریتی طبقے کے مظالم، تعصب اور معاندت کا رونا-رونا-اور

۳۔ مسلمانوں کے لئے 'خصوصی مراعات' کیلئے پہلے ماروائے قانون ودستور اور بعد میں قانونی اوراور دستوری مطالبات کرنا، 'مسلم قیادت' اپنی مخصوص ذہنیت کے سبب ان ترجیحات اور مطالبات کے پسِ پردہ صرف 'انفرادی' اور طائفی (Sectional) 'خصوصی مراعات' جنہیں ذاتی اغراض کہنا زیادہ درست ہے چاہتی تھی، قوم کے تعلق سے ان کے پاس کوئی ٹھوس فکر اور منصوبہ بندی سرے سے تھی ہی نہیں، اس ذہنیت نے 'مسلم قیادت' کو پہلے بند کمروں میں اور بعد میں برسرعام چاپلوسی، کاسہ لیسی، دریوزہ گری، زلہ ربائی، کفش برداری اور اُلش نصیبی کی روش اختیار کرنے پر آمادہ کرلیا، اس طرح 'مسلم قیادت' کی معروف ہستیاں مثالی 'Uncle tom' بن کر رہ گئیں، اس صورتحال اور روش نے مسلمانوں کی جملہ آبادی کو دوسروں کی نظر میں 'Waste' بنا دیا، خود 'مسلم قیادت' حکومت کی نظر میں بے وقعت ہوگئی، چنانچہ پوری ملت بالعموم اور مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ بالخصوص جارج اور ویل (George Orwell) کے اینی مل فارم (Animal Farm) میں بدل کر رہ گئیں۔''(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص: ۳۳ تا ۳۵)

''مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں قائم بارہ فیکلٹیوں کے سو سے زاید شعبوں، اداروں اور مراکز کے اساتذہ اور ماہرین کی موجودہ تحریری اور تصنیفی صورتحال نے Potentialاور Actual استعداد کے تعلق سے ایسے سوال کھڑے کر دیئے ہیں جو حد درجہ تشویشناک معلوم ہوتے ہیں، انہیں ذیل میں یوں ملخص کیا جا سکتا ہے:

ا۔ اساتذہ کی ۵۰ر فیصد موجودہ تعداد تحریری اور تصنیفی میدان میں عالمی معیار (World Standard) کے مطابق Potential استعداد کی سرے سے حامل ہی نہیں۔

۲۔ اساتذہ کی ۸۰ر فیصد موجودہ تعداد تحریری اور تصنیفی میدان میں عالمی معیار (World Standard) کے مطابق Actual استعداد کی حامل نہیں۔

۳۔ اساتذہ کی ۱۰ر فیصد موجودہ تعداد کی تحریری اور تصنیفی کاوشیں دوسرے یا تیسرے درجے کی یا کسی دوسرے یا تیسرے درجے کے ماخذ سے مستفاد ہوتی ہیں اگرچہ انہیں علانیہ 'سرقہ' (Plagiarism) کہنا مشکل ہے۔

۴۔ اساتذہ کی ۱۰ر فیصد تعداد محض برائے ضرورت یا اضطراراً (Under Compulsion) تحریری اور تصنیفی کاوشیں کرتی ہے وہ بھی اکثر Cut & Paste یا 'کھلا سرقہ' (Stark Plagiarism) ہوتی ہیں۔

۵۔ اساتذہ کی ار فیصد موجودہ تعداد ایسے مصنفین پر بھی مشتمل ہے جو ہر چند کہ معمولی علمی و تحقیقی استعداد کی حامل ہے لیکن محض ہنرمندی سے ایسی تصنیفات اور تحقیقی کاوشیں کرتی نظر آتی ہے جن پر لوگ (؟) حیران رہ جاتے ہیں، ایسے مصنفین تین مرحلوں میں ان تحریروں کو تیار کرتے ہیں جنہیں علم میں رسوخ رکھنے والے افراد کے سوا کوئی عام حالات میں Detect نہیں کر پاتا، چنانچہ ایسے افراد کے ذریعہ پہلے مرحلے میں طویل کتابیات کی فہرست تیار کی جاتی ہے، دوسرے مرحلے میں ان کتابیات سے حوالے Annotated کئے جاتے ہیں، اور آخری مرحلے میں اصل متن لکھا جاتا ہے اور پھر یہ تینوں باہم مدغم کر دئے جاتے ہیں۔

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں اب چونکہ بہت بڑی تعداد ایسے اساتذہ کی موجودگی رکھتی ہے جو Potential استعداد سے بالکل عاری ہے لہذا ان

حالات نے انہیں چند مذموم رویوں کا عادی بنا دیا ہے جن کے مظاہرے آئے دن ہوتے رہتے ہیں مثلاً:

ا۔ اندرون ملک اور بیرونِ ملک بالخصوص مغرب میں اپنی استعداد کو غلامانہ اور مغلوبانہ استعمال کے لئے بلاشرط پیش کر دینا۔

۲۔ اندون ملک اور بیرونِ ملک استعداد کو Misuse, Disuse یا Underutilize کر کے انہیں محض مالی منفعت (Financial Gain) کا ذریعہ بنا دینا، مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ اور فارغین کا فوج در فوج مشرق وسطی جانا بھی اسی ذہنیت کی عکاس ہے، قومی، معاشرتی اور انسانی سطح پر انسانی وسائل (Human Resource) کا بالخصوص مسلم انسانی وسائل جو اس ملک میں Highly Scarce ہونے کے سبب انتہا درجے کے Costraint شمار ہوتے ہیں، کا بدترین زیاں کرنے والوں میں مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے اساتذہ اوران کے تتبع میں وہاں کے فارغین سرِفہرست ہیں۔

۳۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں ترقی (Promotion) اور استحکام کے لئے اساتذہ کا حالیہ چند برسوں میں بعض چھچھوری اور مضحکہ خیز حرکتوں اور اعمال پر اتر آنا مثلاً:

ا۔ اپنے تحریری، تصنیفی یا علمی تفوق کو ثابت کرنے کے لئے حقیقی علمی کارناموں کو انجام دینے کی بجائے ذرائع ابلاغ بالخصوص اردو اور ہندی اخبارات (Vernaculars) میں (الف) اپنے مغربی ملک کے اسفار کی خبر چھپوانا (ب) وہاں کے کسی غیر معروف جیبی ادارے کی رکنیت دیئے جانے کی خبر چھپوانا (ج) وہاں کے کسی غیر معروف یا جیبی ادارے کی جانب سے خطاب، ایوارڈ یا انعام دیئے جانے کی خبر چھپوانا۔

۵۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے اساتذہ کا حقیقی سطح پر Actually یا Virtually ہر طرح کی علمی گفتگو، تبادلۂ خیال، مباحثہ، مکالمہ، مراسلہ اور مکاتبہ حتی کہ مشافہہ سے مستقل، کلی اور حتمی گریز کرنا اور بدقسمتی سے اتفاقی طور پر Encounter ہو جانے کی صورت میں ایسے رویئے کا اظہار کرنا گویا انہیں غیر معمولی علمی، فکری، تصنیفی، تحقیقی اور تجرباتی امور نے اس قدر جذب اور مشغول کر رکھا ہے کہ ایسے ثانوی

یا غیر ضروری امور کے لئے وقت فارغ کرنے سے وہ قاصر ہیں، انہیں اس بات کا قطعاً احساس نہیں ہے کہ ان کے استعداد سے عاری ہونے کے سبب علمی مباحثہ سے فرار اختیار کرنے کے لیے یوں Nerd بننے یا ظاہر کرنے کے عمل نے پوری دنیا میں انہیں 'ہدف تمسخر' یا 'اضحوکہ' (Laughing Stock) بنا کر رکھ دیا ہے۔

۶۔ علمی استعداد کا عمومی (Across the board) انحطاط اساتذہ اور ان کے تتبع میں طلبہ وطالبات میں متعدد اقسام کی اخلاقی خرابیاں پیدا کرنے کا باعث ہوا ہے، ایسی متعدد اخلاقی خرابیوں میں سے سب سے بری اور دوررس نتائج کی حامل اور متعدی خرابی یونیورسٹی میں 'متحارب ماحول' (Internecine Atmosphere) کا پیدا ہو جانا ہے، اس کے کئی ابعاد (Dimensions) ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں:

(الف) برسر کار اساتذہ کی جو باہم خواہ متحارب ہی کیوں نہ ہوں، مشترکہ کوشش ہوتی ہے کہ کوئی صاحبِ استعداد ان کے شعبے میں بحیثیت استاذ بحال نہ ہوحتی کہ امیدوار ان کا شاگرد ہی کیوں نہ ہو۔

(ب) بعض مسند نشیں اساتذہ (ہیڈ، چیرمین یا ڈین) سبک دوش اور بالخصوص ریٹائرڈ ہو جانے والے پیش رو مسند نشیں کے ساتھ ذلالت کی حد تک بدسلوکی پر اتر آتے ہیں خواہ وہ ان کا استاذ اور محسن ہی کیوں نہ ہو۔''

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص: ۴۱ تا ۴۴)

یہ اقتباسات آپ نے پڑھ لئے، جی ہاں

''سرسید کی بصیرت'' نے یہ گل کھلائے - ۱۸۷۵ء میں کالج بنا، پھر ۱۹۲۰ء میں یونیورسٹی بنی، اور ۲۰۱۳ء تک پہونچتے پہونچتے اس کی درگت آپ نے دیکھ ہی لی۔

میں نے تمہید میں جو عرض کیا تھا، شاید آپ کو اس میں مبالغہ محسوس ہوا ہو، لیکن اب ''دانشورانہ مجذوبی بڑ'' سننے کے بعد آگے چلیے اور سنئے کہ اس یونیورسٹی اور عظیم مقاصد کے فکرساز میاں ''غالب'' تھے، جی ہاں وہی غالب جن کے ہاں ''بنتی نہیں بادہ وساغر کہے بغیر'' کا نغمہ ہے، اور وہی غالب جو فرماتے ہیں:

مجھے تم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

اب ذرا، دل پر ہاتھ رکھ لیجئے، کلیجہ تھام لیجئے، اور ساتھ ساتھ قہقہہ کی بے ادبی سے بچنے کے لئے منہ پر بھی ہاتھ رکھ لیجئے، اور ''مجذوبانہ دانشوری'' کی نکتہ آفرینی دیکھئے:

''نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کی وفات (۶۳۲) کے بعد کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے، کہ واقعۂ کربلا (۶۸۰) کے بعد امت مسلمہ محمدیہ کی فکری، علمی، عملی اور ادارہ جاتی بحالی کے لئے سب سے توانا اور معجز آثار آواز انیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان میں بلند ہوئی، یہ آواز تھی مرزا اسداللہ خاں غالبؔ (۱۷۹۷-۱۸۶۹) کی''

۶۸۰ رعیسوی کے بعد امت مسلمہ ایک ایسے دورِ مظلمہ میں داخل ہوگئی تھی جس نے رفتہ رفتہ اس کی ساری توانائیاں سلب کر کے اس کے جسد کو معطل اور زندہ لاش میں تبدیل کر دیا تھا، اس تعطل اور نیم جانی نے اسلام کو زندگی کے میدان عمل سے عملاً بے دخل اور قرآن اور آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ کو محجوب بنا کر رکھ دیا تھا، اصلاح کرنے، اسے قبول، جذب اور بارآور کرنے اور ایسی اصلاح کو استحکام بخشنے کی ہر قوت معدوم ہو چکی تھی، اسلامی تاریخ میں مرزا اسداللہ خاں غالبؔ وہ پہلی شخصیت ہے جو اس حقیقت سے آگاہ ہوئی کہ امت کی اس کیفیت کی کنہہ کیا ہے؟ اور اس کیفیت سے نکلنے کی راہ کون سی ہے؟

غالبؔ نے آگاہ کیا کہ ۶۸۰ رعیسوی کے بعد امت مسلمہ محمدیہ جس بیماری میں مبتلا کر دی گئی تھی اسے 'تکییف' (Conditioning) کہتے ہیں، اور اس 'تکییف' سے نکلنے کی شاہ کلید 'علم' کی بازیافت ہے، 'علم کی بازیافت' سے مراد 'قرآنی انسان' کی بازیافت ہے، یہ عرش کی آواز تھی جو غالبؔ کے نطق سے بلند ہوئی ۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

غالبؔ نے امت کو اور ان کے حوالے سے مظلوم انسانیت کو اصل زمینی حقائق سے آگاہ کیا، ان تبدیلیوں کی آگاہی دی، جو روزِ روشن کی طرح سامنے تھیں، غالبؔ نے انسانیت کو سنت اللہ سے ہم آہنگ ہونے، ارادۃ اللہ کا ادراک کرنے اور منصوبۂ ربانی کا حصہ بننے کی ترغیب دی، چودہ سو سالوں کے قرونِ مظلمہ میں رہتے رہتے انسانی

ذہن وفکر پر جو گھٹا ٹوپ تاریکی چھا گئی تھی، اس سے نکلنے کی ہمت دلائی، معرکۂ خیر وشر جس مرحلے میں داخل ہو چکا تھا اس کا حقیقی ادراک کرنے اور خیر کی قوتوں کا حصہ بننے کا احساس دلایا۔

سرسید غالبؔ کے پہلے معنوی فرزند ثابت ہوئے، غالبؔ کا لاہوتی انفجار واقعۂ کربلا کے بعد واقع ہونے والا سب سے بڑا اور توانا انفجار تھا جس نے یکے بعد دیگرے تین متسلسل انفجارات کو جنم دیا، یہ تین انفجارات درج ذیل ہیں:

۱۔ سرسیدؔ (۱۸۹۸-۱۸۱۷) کا فکری انفجار

۲۔ حالیؔ (۱۹۱۴-۱۸۳۷) کا علمی انفجار

۳۔ اقبالؔ (۱۹۳۸-۱۸۷۵) کا حرَکی انفجار''

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص:۵۳تا۵۴)

اب پھر کلیجہ تھام لیجئے، اور سنئے کہ ''سرسید عالی مقام'' میاں غالب کے شاگرد رشید، اور ان کی اصلاح وتجدید کے اسیر تھے، بے چارے ''حالی'' اور ''اقبال'' بھی قافیہ میں آ گئے۔

لیکن علیگڈھ مسلم یونیورسٹی نے نہ ''فکر غالب'' کی فکر کی، نہ ''اصلاح سرسید'' کی، تو آج کا منظر نامہ کیسا عبرتناک ہوا۔

''مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی موجودہ صورتحال اسی ناکامی کی بھرپور عکاسی کرتی ہے کہ وہاں آج 'قرآنی انسان' یعنی قرآنی ذہن، قرآنی فکر اور قرآنی اخلاق سے مزکی انسان عنقا ہے، آج وہاں -سنی ہیں، شیعی ہیں، مقلد ہیں، غیر مقلد ہیں، دیوبندی ہیں، بریلوی ہیں، سلفی ہیں، خانقاہی ہیں، تحریکی ہیں، تبلیغی ہیں، اشتمالی ہیں، اشتراکی ہیں، دُعاۃ ہیں، قُضاۃ ہیں، بحّاث ہیں، لسّان ہیں، رسّام ہیں، بنّا ہیں، زمین دار ہیں، تاجر ہیں، پیٹرو ڈالر والے ہیں، متغرب ہیں، متشرق ہیں، بہاری ہیں، ملیالی ہیں، بنگالی ہیں، آسامی ہیں، اودھی ہیں، پوربی ہیں، مصطفیٰ آبادی ہیں-غرض سب ہیں لیکن 'انسان کامل' کوئی نہیں، ہر طبقے کا اپنا مذہب ہے، مسلک ہے، مشرب ہے، ہر طبقے کا اپنا مرشد ہے، اپنا موجّہ ہے، ہر مذہب مکمل اور

خود کفیل ہے، خود اختیار ہے، خود آشنا ہے، خود بین ہے، خود پسند ہے، خود رُستہ ہے،
خود رنگ ہے، خود کارہ ہے، خود کاشت ہے، خود کامہ ہے، خود مراد ہے، خود مان ہے،
اسے زیست کے لیے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں، چنانچہ ہر طبقے کے مطامح،
اہداف اور ترجیحات جداگانہ ہیں۔''

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص:۵۶)

اب علیگڈھ یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد امت کے عظیم انحرافات سے متعلق جو ماسونی، باطنی ''عالِم پر اسرار کی شیطانی وحی''، اسرار عالم صاحب پر نازل ہوئی، وہ زیادہ تر انگریزی میں تھی، اس میں ''دانشوری'' اور ''جذب قلندرانہ'' کی ''عمودی ثنویت'' اور علم پر اسرار، اور عمل بے قرار کی ''افقی ترادفیت'' نے کیا کیا گل کھلائے ہیں، یارا ہو تو جگر سنبھالیئے اور پڑھیئے:

''روایتی وموروثی سبب: اس سے مراد وہ سبب ہے جو مسلمانوں کو ۱۷۰۰ء عیسوی میں اپنی سابقہ تاریخ سے ورثے میں ملا، یہ روایتی وموروثی سبب ایک 'دورویہ شاخسانہ' (Two Branched outgrowth) کے مانند تھا جس کی دو 'ظاہرات' تھیں:

۱۔مسلم معاشرے کی عَمُودی ثَنَوِیّت کی ظاہرہ

(Phenomenon of Vertical Dichotomy of the Muslim Society)

۲۔ مسلم معاشرے کی اُفقی ترادُفِیّت کی ظاہرہ (Phenomenon of Horizontal Dualism of the Muslim Society)

۱۔مسلم معاشرے کی عمودی ثنویت کی ظاہرہ

(henomenon of Vertical Dichotomy of the Muslim Society)

نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کی وفات انسانی تاریخ کا عدیم النظیر حادثہ تھی جس نے بالعموم نسلِ انسانی کو اور بالخصوص مسلمانوں کو ایک عظیم تقمے سے دوچار کردیا، آپ ﷺ کی وفات کے چند ہی سالوں بعد مسلم معاشرے میں دو طبقے اچانک نمودار

ہوئے جنہوں نے دیکھتے دیکھتے معاشرے کو اپنی گرفت میں لے لیا، ۶۶۱ رعیسوی میں ان دونوں طبقوں کو کلی تمکن حاصل ہوگیا، مسلم معاشرے میں اچانک نمودار ہوجانے والے یہ دو طبقات تھے:

۱۔حکمراں (Rulers) اور

۲۔علماء (Ulama)

ان دونوں طبقات میں ہم آہنگی تھی، ان کے مقاصد ایک تھے، چنانچہ ان کی باہمی معاونت نے دیکھتے دیکھتے مسلم معاشرے کو دو حصوں میں منقسم کردیا، معاشرے کی یہ تقسیم عمودی (Vertical) تھی، چنانچہ اس عمودی تقسیم (Vertical Division) نے مسلم معاشرے میں ایک مخصوص قسم کی ثنویت (Dichotomy) قائم کردی، جسے 'مسلم معاشرے کی عمودی ثنویت' (The Vertical Dichotomy) کا نام دیا جاتا ہے۔

اس ثنویت (Dichotomy) کا باضابطہ آغاز ۶۶۱ رعیسوی میں ہوا، اس حادثے کے نتیجے میں مسلم معاشرہ عملاً دو طبقوں (Regiimes) میں منقسم ہوگیا:

۱۔حکمراں موجّہ طبقہ (Ruler-Oriented Regime)

۲۔علماء موجّہ طبقہ (Ulama-Oriented Regime)

حکمراں موجّہ طبقے (ROR) کی کمان حکمراں کے ہاتھوں میں تھی، جب کہ علماء موجّہ طبقے (UOR) کی کمان 'علماء' کے ہاتھوں میں، ۶۶۱ رعیسوی سے یہ دونوں طبقات (حکمراں اور علماء) باہم معاون رہے، محض اس لئے نہیں کہ دونوں کے مقاصد ایک تھے بلکہ اس سبب سے بھی کہ ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر ان دونوں کے اہداف پورے نہیں ہوسکتے تھے، چنانچہ آنے والے دنوں میں اس معاونت کے ذریعہ اٹھائے گئے اقدامات نے مسلم معاشرے میں ایک اور تقسیم کی بنا ڈال دی، یہ دوسری تقسیم افقی (Horizontal) تھی، اسے افقی دوہرے پن (Horizontal Dualism) کا نام دیا جاسکتا ہے، چنانچہ اس تقسیم (Division) سے مسلم معاشرہ افقی (Horizontal) طور پر بھی دو مزید کیفیات میں منقسم ہوکر رہ گیا: یہ دو افقی کیفیات تھیں:

۱۔حکمراں موجہ طبقے کا دوہرا پن

(Dualistic Phenomenon of Ruler-Oriented Regime)

۲۔علماءموجّہ طبقے کا دوہرا پن

Dualistic Phenomenon of Ulama-Oriented Regime

چنانچہ ہر طبقہ مزید تلے اوپر دو حصوں یا خانوں (Chambers / Compartments) میں منقسم ہوگیا، اوپری حصہ ابتدائی عہد میں کھلا خانہ Open or Unconditioned Compartment) تھا، اس طبقے کے افراد کی تعداد بے حد محدود تھی، یہ اخص الخواص (Elite) تھے، اس کا نچلا حصہ بند خانہ (Closed Compartment) تھا، اس طبقے میں کثیر آبادی داخل تھی، یہ خانہ صد فی صد مکیّف (Hundred Percent Conditioned) تھا، اس طرح کل ملاکر مسلم معاشرہ چار خانوں میں بنٹ چکا تھا، یا بانٹ دیا گیا تھا، ان چار خانوں میں دو ثنوی (Dichotomic) تھے اور دو ترادفی (Dualistic)۔

۱۔حکمراں موجّہ طبقہ

حکمراں موجّہ طبقہ

Ruler-Oriented Regime (ROR)

حکمراں موجہ طبقے کا کھلا خانہ (OPen / Unconditioned Compartment of ROR)	حکمراں مُوجّہ طبقے کا صد فی صد مکیّف خانہ (Hundered percent Conditioned Compartment of ROR)

۲۔علماءموجّہ طبقہ

Ulama-Oriented Regime (UOR)

علماءموجہ طبقے کا کھلا خانہ (OPen / Unconditioned Compartment of UOR)	علماءمُوجّہ طبقے کا صد فی صد مکیّف خانہ (Hundered percent Conditioned Compartment of UOR)

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص:۵۸تا۶۰)

''ان دونوں خارجی اخذوں کا نتیجہ امت مسلمہ کی حیویت (Vitality) اور

معاشرت (Social Life) میں یہ برآمد ہوا کہ آنحضورﷺ کی وفات کے سوسال کے اندراندر مسلمانوں کے سارے قوانین (Laws)،ضابطے (Rules)، ریگولیشنز (Regulations)،اسٹےچیوٹس (Statutes)، انتظامیہ کے سارے طریقے، عدلیہ کے سارے نارمس (Norms)، فوج کی ساری ترجیحات (Prioritities)، وزارت خارجہ اوروزارت داخلہ کی ساری پالیسیاں (Policies) اورسفارت کاری (Diplomacy) کے سارے پروٹوکولس (Protocols) قرآن اورسنتِ رسولﷺ کے عین مطابق مرتب ہونے کی بجائے مشنی (Mishna) اور تلمود (Talmud) کے مطابق مرتب ہوکرقرآن اورسنت کے نام سے نافذالعمل ہوگئے، یہودی احادیث (Oral Laws) پرمبنی یہی وہ قوانین ہیں جنہیں آج دنیا 'اسلامی فقہ' (Islamic Fiqah) کے نام سے جانتی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ۶۶۱ء عیسوی میں مستحکم ہونے والا حکمرانوں اورعلما کا یہ تعاہد یکساں مقاصد اوراہداف رکھتا تھا، اس لئے اس خارجی اخذ (Outsourcing) نے جلد ہی بے حد خطرناک صورت، سرعت اورشدت اختیار کرلی،اس خارجی اخذ کے ذریعہ درآمد کئے گئے افراد نے جو اپنی جگہ بڑے بڑے جہابذہ اورعباقرہ تھے،اور اپنے عہد کی ہاورڈ (Harvard)، یےل (Yale) اورکولمبیا (Columbia) جیسی یونیورسٹیوں سے منسلک تھے قرآن اورسنت رسول اللہﷺ کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لئے ایسے خلاقانہ اصولیات اورقوانین (Innovative Principles & Laws) وضع کرنا شروع کردیئے جو بالآخر امت مسلمہ کو ہلاکت سے دوچار کردینے والے ثابت ہوئے۔

خودساختہ اصولیات اورقوانین کے ایجاد سے قرآن اورسنت رسول اللہﷺ کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے، روئے ارض پر بسنے والی خلقِ خدا کو تقسیم کردیا گیا،روئے اُرض اورعالم انسانیت کو تقسیم کرنے کا یہ عمل اسلام اورامت مسلمہ کے مقصدِ بعثت کے خلاف کی گئی بدترین کاروائی اورسازش تھی، یہ بدترین سازش تھی: روئے ارض اوراس پر بسنے والی انسانی آبادی کو 'دارالاسلام' اور 'دارالحرب' میں منقسم کردینا۔'' (''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرارعالم ص: ۶۶ تا ۶۷)

مختصر یہ کہ:

''مسلم حکمرانوں اور علماء کے انہدام کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ:

۱۔علم (Knowledge) سے عاری تھے۔

۲۔معلومات (Information) سے عاری تھے۔

۳۔افرادی قوت (Skilled Human Resource) سے عاری تھے۔

۴۔علمی انضباط (Knowledge Discipline) سے عاری تھے۔

۵۔علمی، تجرباتی اور تربیتی ادارہ (Institution) سے عاری تھے۔

۶۔تجربہ (Experience) سے عاری تھے۔

۷۔مہارت (Experties) سے عاری تھے۔

۸۔استعداد (Preparedness) سے عاری تھے۔

۹۔منصوبہ (Planning) سے عاری تھے۔

۱۰۔ہدف (Target) سے عاری تھے۔

چنانچہ مسلم حکمراں اور علماء آناًفاناً ڈھ کر رہ گئے۔

نئی صورتحال کے عارض ہو جانے کے بعد مسلم حکمرانوں اور علمانے یکساں ردعمل اور رویے کا اظہار کیا، یعنی کچھوے کی طرح سمٹ کر اپنے خول میں زیادہ مضبوطی سے بند ہو گئے، لیکن حوادث کا سیلاب بڑھتا جا رہا تھا۔''

(''سر سید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص: ۴۷)

اسرار عالم صاحب کو پوری تاریخ اسلامی میں سب سے بڑا مثالی حکمران ''اکبر'' کی شکل میں نظر آیا، جس کے خلاف علماء کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں نے اسے ناکام کر دیا۔ ملاحظہ فرمائیے:

''۱۶۱ءعیسوی سے قائم تکییف (Conditioning) امت میں اس قدر راسخ ہو چکی تھی کہ مسلم تاریخ میں بعض مسلم حکمرانوں نے اگر خیر خواہانہ، اضطراراً یا ضرورۃً بھی اس خارجی اخذ (Outsourcing) کا خاتمہ کرنا یا اسے محدود (Limited) یا مسدود (Restricted) کرنا چاہا تو وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے، خارجی اخذ (Outsourcing) کے انسداد میں ان قوتوں کا غلبۂ تامہ اور اکثر خود امتِ مسلمہ کی

عدمِ صلاحیت واستعداد جو اس تکییف کا لازمی نتیجہ تھیں مانع آئے، مسلم تاریخ میں ایسی جسارت کرنے والے حکمرانوں کو معطل یا معزول کر دیا گیا یا ہلاک، بعض اوقات انہیں اس کی بڑی بھاری قیمت چکانی پڑی، اس حوالے سے عہدِ قریب میں سلطنت مغلیہ میں اکبر سرفہرست ہے۔''

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص:۷۷)

''سلطنت مغلیہ کو اپنے قیام کے پہلے دن سے تین Threats کا سامنا رہا، پہلا: اندرونی، دوسرا: ملکی اور تیسرا: خارجی۔ ان تینوں خطرناک Threats میں سب سے خطرناک اور مہلک Threat اندورنی تھا، سلطنت مغلیہ کو درپیش یہ اندرونی خطرہ کیا تھا؟ سلطنت مغلیہ کو یہ اندرونی Threat تھا، 'علماء' اور 'مشائخ' کا Threat۔

اس Threat کی تین سطحیں اور دو محاذ تھے، یہ تین سطحیں تھیں:

۱۔اشرافیہ

۲۔علماء اور

۳۔مشائخ

دو محاذ تھے:

۱۔علماء کی تحریکات اور

۲۔مشائخ کی تحریکات

تین سطح: Threats کی تین سطح سے مراد تین سطحوں میں Moles اور Fifth Columnists کا Implantation اور ان کے خیالات کی معاشرے میں Embedding کا Threats۔

پہلی سطح: مسلم معاشرہ بالخصوص اس کی اشرافیہ میں Moles اور Fifth Columnists کا Implantation۔ اسلام اور امت مسلمہ مخالف ایک خارجی، مضر اور مہلک عنصر تھا جو اشرافیہ میں منصوبہ بند طریقے اور رفتار سے Implant کیا جارہا تھا، عام طور پر یہ 'ادخال' مسلمانوں کے ان طبقات میں کیا جاتا تھا جو بعض وجوہ سے معاشرے میں باعزت اور مراعات یافتہ تھے، ان طبقات میں چار قابل ذکر ہیں:

۱۔سادات

۲۔صدیقی
۳۔فاروقی اور
۴۔عثمانی

چنانچہ یہ خارجی عنصر مسلم معاشرے میں سادات، صدیقی، فاروقی اور عثمانی کی شکل میں تیزی سے داخل ہوکر بارسوخ ہورہے تھے۔

دوسری سطح: پھر اسی طبقے کے افراد جو معاشرے میں بحیثیت سادات، صدیقی، فاروقی اور عثمانی معروف اور بااثر ہو چکے ہوتے تھے، 'علماء' کے اعتبار سے ظاہر ہوکر الگ الگ نوعیّتوں کی 'تحریکات' کا آغاز کرتے تھے، مساجد، مدارس، منبر اور علوم کے ذریعہ ان تحریکوں کو معاشرے میں بارسوخ بناتے تھے۔

تیسری سطح: معاشرے کا یہی طبقہ جو بحیثیت سادات، صدیقی، فاروقی اور عثمانی معروف اور بااثر ہو چکے ہوتے تھے، 'روحانی' اعتبار سے ظاہر ہوکر الگ الگ نوعیّتوں کی 'روحانی تحریکات' کا آغاز کرتے تھے، عہد سلطنت میں یہ خارجی مشائخ عام طور پر چشتیہ میں داخل ہوئے اور عہد مغلیہ میں نقشبندیہ میں، ظاہر ہے ان تینوں سطحوں-اشرافیہ، علماء اور مشائخ میں معروف اور بارسوخ ہوجانے والا یہ طبقہ نہ تو اصلاً سادات تھا نہ صدیقی، نہ فاروقی اور نہ عثمانی۔

دو محاذ: ان تین سطحوں کے علاوہ دو محاذ تھے۔
۱۔علماء اور ان کی تحریکات کا محاذ
۲۔مشائخ اور ان کی تحریکات کا محاذ

(''سر سید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص: ۸۷تا۸۸)

اکبر کے عظیم نظام حکومت کے خلاف کھڑے ہونے والے مجدد الف ثانی اسرار عالم کے نزدیک پہلے سازشی تھے، پھر آگے بڑھیے اور دیکھئے کہ اب ولی اللہ دہلوی، شاہ عبدالعزیز اور سید احمد شہید کی تحریکات کے بارے میں یہ ماسونی، صہیونی، مغربی ایجنٹ، ''مٹکاف'' کے حوالہ سے کیا کہتا ہے۔

''۱۷۰۳ء سے سلطنت مغلیہ کے خلاف 'علماء' اور 'مشائخ' کی انہدامی سازش نے نیا رخ اختیار کرلیا تھا، یہی وہ دور ہے جب ہندوستان کے طول وعرض میں علماء اور

مشائخ اور ان کے 'اداروں' کو سب سے زیادہ وسعت اور رسوخ حاصل ہوا، اسی حقیقت کا اظہار مٹکاف یوں کرتی ہیں:

"In general, the religious leadership profited from the decline in central authority in the eighteenth century. This was true not only of the 'Ulama' but also of the 'Sufi Pirs' of the medieval shrines who had continued to form the religious leadership in the areas of Sind and Punjab, in Particular."

(Barbara Daly Metcalf: Islamic Revival in British India: Deoband, 1860-1900, Oxford University Press, 1982.)

۳۔ ۱۷۱۳ء سے علماء اور مشائخ اس عالمی Club سے براہ راست مربوط ہو گئے جو عالمی پیمانے پر اسلام اور امت مسلمہ کا خاتمہ کرنے میں کوشاں تھا، چنانچہ ہندوستان میں اس عالمی تحالف کا مرکز ۱۷۱۳ء کے بعد دہلی میں مستحکم ہو گیا، ان عالمی قوتوں نے علماء اور مشائخ کی Pump-Priming کی اور اس طرح سلطنت مغلیہ کا خاتمہ کر دیا گیا۔" ("سرسید کی بصیرت" مصنف: اسرار عالم ص: ۹۵ تا ۹۶)

"شاہ عبدالعزیز نے ۱۸۰۳ء میں ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا، شاہ عبدالعزیز کو یہ 'Locus Standi' کہاں سے حاصل ہوا؟ اس 'غیر معمولی' اور 'پراسرار' فتوی کے اجرا کا وقت سب سے بڑا سوال پیدا کرتا ہے، یہ فتوی ٹھیک اس واقعے کے بعد جاری کیا گیا جب جنرل لیک (۱۸۰۸-۱۷۴۴) نے دہلی میں کاروائی (۱۸۰۳) کی، ایسے ثبوت اب میسر ہیں جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ شاہ صاحب کا گھرانہ اس عالمی سازش کا مرکز تھا اور یہ فتوی اس عالمی طاقت کی سازش کا حصہ تھا، تاکہ مسلمانوں میں افراتفری پیدا ہو اور وہ کوئی ایسی کاروائی کریں تاکہ انہیں ملک پر قبضہ کرنے کا موقع مل جائے۔"

("سرسید کی بصیرت" مصنف: اسرار عالم ص: ۹۸)

"علماء اور مشائخ کی سازش (؟) کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳-۱۷۶۲) کو سلطنت مغلیہ کا مسئلہ "پونے" میں اور اس کا حل "قندھار" میں نظر

آیا، چنانچہ شاہ صاحب کے حل ۱۷۶۱ء نے پیدا شدہ وقتی عدم استحکام کو دائمی عدم استحکام میں بدل دیا، کیا نجیب الدولہ (ف ۱۷۷۰) جنہیں شاہ صاحب نے رئیس المجاہدین، امیر الغزاۃ اور منبع الحسنات لکھا تھا اور جن پر ابدالی (ف ۱۷۷۳) نے اس 'در بدر بھٹکنے والے بادشا' کی حفاظت کی ذمہ داری ڈالی تھی ان کے لائق فرزند ضابطہ خاں (ف ۱۷۸۳) نے وہ ذمہ داری ادا کی؟ شاہ ولی اللہ کے ممدوح کے پوتے اور ضابطہ خاں کے فائق بیٹے غلام قادر خاں (ف ۱۷۸۸) نے ۱۰ر اگست ۱۷۸۸ء کو شاہ صاحب کے ذریعہ پیدا کردہ دائمی عدمِ استحکام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناقابل رجوع (Perpetually Irreversible) بنا دیا۔''

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص: ۱۰۳تا ۱۰۴)

ایسٹ انڈیا کمپنی اسرار عالم کے نزدیک خدا کی طرف سے مامور تھی، ہندوستان کی اصلاح کے لئے وہ آئے تھے، ان کو علماء ومشائخ نے کام کرنے نہیں دیا۔

''ایسٹ انڈیا کمپنی مسلم 'نظام تعلیم' کے ذمہ داروں کی جانب ملتجیانہ دیکھتی رہی لیکن یہ علما ٹس سے مس نہیں ہوئے، پھر بھی ایسٹ انڈیا کمپنی نے تحمل کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا، اس نے درمیانی راہ نکالنی چاہی، 'دہلی کالج' وہی درمیانی راہ تھی، علماء پھر بھی ٹس سے مس نہیں ہوئے، بالآخر برسر زمین حقیقی ذمہ داریاں انہیں کب تک اس تحمل اور لاحاصل انتظار کی اجازت دیتیں، مجبور ہو کر انہوں نے ساری بساط ہی پلٹ دی اور پورے ملک میں سرکاری طور پر 'مغربی زبان' بحیثیت ذریعۂ تعلیم اور مغربی نظام تعلیم بحیثیت نظام تعلیم نافذ کرنے کا حکم جاری کر دیا، یہ حادثہ ایک نئے بحران کا آغاز تھا، روایتی اور موروثی عمودی ثنویت (Traditional Vertical Dichotomy) اور روایتی افقی ترادفیت (Traditional Horizontal Dualism) سے صدیوں مضمحل (Degenerated) اور نیم انسان شدہ (Dehumanized) مسلم معاشرہ اچانک پیدا ہو جانے والی نو ثنویت (Neo-Dichotomy) کا شکار ہو گئی، انگریزی بطور ذریعۂ تعلیم وسرکاری زبان اور مغربی نظام تعلیم بطور 'نظام تعلیم' کے نفاذ سے جو نو ثنویت (Neo-Dichotomy) پیدا ہوئی اس نے مسلم معاشرے کو عمودی (Vertically) طور پر ذہناً اور علماً منقسم

کر کے رکھ دیا، یہ عمودی نوثنویت (Vertical Neo-Dichotomy) کتنی گہری، مہلک اور دوررس نتائج کی حامل ثابت ہوئی اس کا اندازہ آج دوسو سالوں کے بعد بخوبی کیا جاسکتا ہے''

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص:۱۰۷)

امت کا تیا پانچا کیونکہ اسرار عالم کے نزدیک علماء نے ہی کیا، اسلئے ان کی جو تصویر ابھر کر آتی ہے ذرا اسرار عالم کے شاہکار قلم سے اسے بھی دیکھئے:

''امت کی تاریخ کے مطالعے سے علماء کی جو تصویر ابھرتی ہے اسے تین الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے: لفاظی، مبالغہ آرائی اور افسانہ طرازی، چنانچہ علما کا حقائق اور تحقیق سے سخت نفور مسلّم ہے، حقائق سے واقف اور تحقیق کے خوگر لفاظی، مبالغہ آرائی اور افسانہ طرازی کر ہی نہیں سکتے، یہی سبب ہے کہ گزشتہ بارہ سو سالوں کا اسلامی علمی اثاثہ (قران اور اقوال رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر) لفاظیوں، مبالغہ آرائیوں اور افسانہ طرازیوں کا شاہکار رہے، چنانچہ علما کے عزائم منصوبوں اور کوششوں میں حقائق سے نفور اور لفاظیاں، مبالغہ آرائیاں اور افسانہ طرازیاں بھلا اپنا رنگ کیوں نہ دکھلاتیں، حقائق سے بے خبری اور تحقیق سے نفور علماء سے کیسے کیسے غلط اندازے قائم کرواتے ہیں اور ملت کے لئے رسوائیوں کے کیا کیا سامان کرتے ہیں مسلمانوں کی تاریخ اس سے پُر ہے، تقریب فہم کے لئے تین مثالیں پیش خدمت ہیں، ان میں سے پہلی مثال علماء کی اپنے حوالے سے خوش فہمیوں سے متعلق ہے اور تیسری علماء کی حقیقت طبع سے متعلق''

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص:۱۱۶)

''سرسید کا 'علماء' سے 'حسن ظن' عملی اجتہاد تو قرار دیا جاسکتا ہے لیکن وہ غلط 'نا درست' اور قرآنی تاریخ کے خلاف تھا، علماء نا قابل تبدیل ہوتے ہیں، روئے ارض پر اللہ تعالی نے ایسی کوئی 'حکمت' پیدا نہیں کی ہے جو 'علماء' کو تبدیل کردے، اب تک صرف 'عذاب الیم' اور 'رسل' ہی ان کی تادیب کرتے آئے تھے، عذاب الیم جداگانہ امر ہے، رہی بات رسولوں کی تو قرآنی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ رسول بھی علماء کی تادیب نہیں کرتے، وہ انہیں صرف Deauthorozed, Desacralized اور

Desanctioned کر دیتے ہیں، وہ بھی وقتی طور پر، علماء رسولوں کے سامنے وقتی طور پر بظاہر Tamed ہو کر جلد ہی Metamorphosed شکل میں نمودار ہو کر اسی رسول کی سنتوں کو پامال کرنا شروع کر دیتے ہیں، حکمرانوں کی کیا مجال کہ وہ انبیاء کو قتل کرتے، ان کے پاس اس کا جواز ہوتا تھا نہ یہ بات ان کے مفاد میں ہوا کرتی تھی، انبیا کے قتل کا جواز تو علما فراہم کرتے تھے اور الزام حکمرانوں کے سر جاتا تھا، روئے ارض پر معرکۂ خیر وشر اصلاً نام ہے رسولوں اور علماء کے مابین معرکے کا۔

ممکن ہے سرسید نے قرآنی آیات "أرباباً من دو الله (التوبة ٣١)، "سواء عليهم أأنذرتهم أم لم تنذرهم (البقرة ٦)" اور" ولا تكونوا أول كافر به (البقرة ٤١)" کی کوئی قابل فہم تاویل کی ہو، مگر اس کا کچھ بھی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، علماء اپنی ضد پر قائم رہے، ان کی ضد نے امت کو ہلاکت سے دوچار کر دیا۔" (''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص:۱۲۱ تا ۱۲۲)

ان فتنوں سے بچنے کے لئے اسرار عالم کا سرسید کو یہ مشورہ ہے کہ انہیں لندن ہجرت کر لینا چاہئے تھی، اور میاں غالب کے لئے بھی جناب پر اسرار صاحب کا یہی مشورہ ہے، لیکن ڈھٹائی اور گستاخی کی حد یہ ہے کہ اس ماسونی ہجرت کو نعوذ باللہ ہجرت نبوی سے تشبیہ دی جارہی ہے۔

''تعبیری حرکیت (Virtual Mobilization): بصورت دیگر سرسید کو اپنے منصوبے کے حوالے سے صد فی صد استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے برصغیر کو خیرآباد کہہ کر یوروپ بالخصوص لندن منتقل ہو جانا چاہیے تھا، سرسید کا یہ عمل نبی آخرالزماں ﷺ کے تتبع میں ویسا ہی عمل ہوتا جیسے ہجرت، آنحضور ﷺ بیت اللہ کو چھوڑ کر یثرب چلے گئے تھے، خواہ چھوٹے سے چھوٹے پیمانے پر ہی سہی اسی منصوبے کو روبہ عمل لاتے لیکن لندن، پیرس یا برلن میں، ان کے لئے لندن سب سے مناسب جگہ تھی، عاجز کے خیال میں سرسید کو لندن میں اور سید محمود کو کیمبرج یا آکسفرڈ میں مستقل سکونت اختیار کر لینی چاہیئے تھی، کاش ایسا ہو جاتا تو دنیا کی صورت قطعاً وہ نہ ہوتی جو آج ہے۔

عاجز کی رائے ہے کہ اگر ان دونوں راہوں میں سے کوئی راہ بھی سرسید اختیار

کر لیتے تو امت مسلمہ کی تاریخ کا یہ 'عبقری بروز' اس کرب ناک اذیت اور المیے سے دو چار نہ ہوتا جس سے سرسید، سید محمود اور سرراس مسعود دو چار ہوئے۔

عاجز اب تک تاریخ میں واقع ہونے والے اس قسم کے 'حدوث' (Eventuation) کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ آخر ایسا کیوں کر ہو جاتا ہے یا ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ عاجز حیران ہے کہ غالب سے بھی ویسی ہی اجتہادی غلطی (؟) سرزد ہوئی۔

کاش اسداللہ خاں ۱۱-۱۸۱۰ء میں اکبر آباد سے نقل مکانی کر کے دہلی میں آباد ہونے کی بجائے کلکتہ جا کر آباد ہو جاتے-یا

کاش مرزا غالبؔ ۲۷-۱۸۲۶ء میں اپنے مقدمات کی پیروی کے بہانے کلکتہ جانے کی بجائے لندن چلے جاتے-یا

مرزا غالبؔ نے ۱۸۵۸ء میں قاطعِ برہان لکھ کر ۱۸۶۲ء میں لکھنؤ سے چھپوایا، کاش انہوں نے یہ کتاب لندن میں لکھی اور وہیں سے چھپوائی ہوتی۔

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص: ۱۲۳)

ظاہر ہے کہ جب علماء ہی دشمن اسلام ہوئے، تو تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی کا پوسٹ مارٹم بھی اسی مجذونانہ دانشورانہ زبان میں پڑھئے اور سر دھنئے۔

''مشرقی خواص کی نسل (GES): یہ پہلی جینیاتی مقلوب نوع (GMS) تھی جس کا غالب عنصر ایسے افراد یا پس منظر رکھنے والے افراد پر مشتمل تھا جو مذہبی ثقافت سے وابستہ تھے، یہ جینیاتی مقلوب نسل (GMS) کلیۃً Vulgarised نسل کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی، دیکھتے دیکھتے اس کے اثرات Overactive Vector کی طرح نئی نسل میں سرایت کر گئے، اس جینیاتی مقلوب نسل (GMS) نے آناً فاناً اپنے زیر اثر آنے والے ہر فرد اور اجتماعیت کو عمودی اور افقی ہر دو اعتبار سے Vulgarised کر کے رکھ دیا، اس جینیاتی قلب ماہیت (Genetic Modification) میں سب سے بڑا رول ان دو تحریکوں کا ہے جو بیسویں صدی کے نصف اول میں ظاہر ہوئیں، یہ دو تحریکیں تھیں مولانا محمد الیاس کاندھلوی (۱۹۴۴-۱۸۸۴) کی تبلیغی جماعت (۱۹۲۷) اور مولانا سید ابوالاعلی مودودی (۱۹۷۹-۱۹۰۳) کی جماعت اسلامی (۱۹۴۱)، چونکہ تبلیغی جماعت وسعت، حرکیت

اور عمومیت کے اعتبار سے جماعت اسلامی سے ہر اعتبار سے فائق تھی اس لئے اس کا دائرہ اثر جماعت اسلامی سے بہت وسیع، عریض، عوامی اور ہمہ گیر ہو گیا، برصغیر کی امت مسلمہ میں سب سے مہلک اثرات اسی قلب ماہیت (Genetic Modification) کے برآمد ہوئے، امت کا بڑا حصہ ان کے زیر اثر Vulgarised ہو کر اس قابل ہو گیا کہ خود اسلام کی تشکیل جدید کر ڈالے، چنانچہ ان کے ذریعہ اسلام کی تشکیلِ جدید کر دی گئی، اسلام دین آخرت (Islam the way towards Future) کی بجائے اسلام دین عاجلت (Islam the way for the Present) بن کر رہ گیا۔

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص:۱۳۴)

اسلام اور مآخذ اسلام میں مکمل طور پر تحریف ہو چکی ہے، اور اسکے مجرم علماء ہیں، اور یہ کام ۶۶۱ ءعیسوی یعنی نبوت کے صرف اکیاون سال کے بعد ہو گیا، بلکہ وفات نبوی کے صرف ۲۸/سال بعد اسلام کی تحریف مکمل کر دی گئی۔

مالیخولیائی تحقیق ملاحظہ فرمایئے۔

''۶۶۱/عیسوی کے بعد اسلام مکمل طور پر ربیائی یہودیت (Rabbinic Judaism) بنا دیا گیا، جس طرح ربیائی یہودیت میں سوفرین کی تحدید کے بعد توراۃ کے متن کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی، اب اس کے وہی معنی معتبر اور مقبول بلکہ قابل قبول تھے جو 'ماثورہ' کے عین مطابق ہوں، یہی بات 'تفسیر بالماثور' کے نام سے اسلام میں مکمل طور پر درآمد کر لی گئی، متنِ قرآن کی اسلام میں اب کوئی اہمیت باقی نہیں بچی تھی، اب اس کے وہی معنی معتبر اور قابل قبول تھے جو تفسیر بالماثور کے عینِ مطابق ہوں، جس طرح ربیائی یہودیت میں توراۃ کے دو حصے قرار دیئے گئے: اول ہلخّاہ اور دوم: ہگّادہ، چنانچہ ربیائی یہودیت نے ہلخاہ کو راجح اور ہگادہ کو مرجوح قرار دیا، ۶۶۱/ کے بعد اسلام میں بھی قرآن کی یہی صورت قرار دی گئی، قرآن کو حدیث متواتر قرار دے کر راجح اور بقیہ قرآن یعنی مشہور، شاذ اور آحادیث مشہور، شاذ اور آحاد قرار دے کر مرجوح قرار دے دیا گیا۔ اس پر مستزاد 'قرآن' کو 'حدیث متواتر' قرار دیا گیا لیکن اسے ماورائے قرآن 'احادیث کے تابع قرار دے دیا گیا۔''

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص:۱۶۹)

پس چہ باید کرد۔

اسلام محرف ہو چکا، قرآن باقی نہیں رہا، علماء کے ٹولہ نے ملت کو تباہ کر دیا، اصلاح میاں غالب کے نسخہ سے ہی ممکن ہے، ''سرسید کی بصیرت'' کا چراغ ہاتھ میں لے کر، اور اصلاح کا ڈنڈا ہاتھ میں مضبوط پکڑ کر، اب مجذوب بزرگ نے تجویز یہ رکھی ہے کہ اصلاح امت کیونکہ علیگڈھ سے ہوئی ہے، اس لیے مندرجہ ذیل تجویز پر عمل کیا جائے۔

''سرسید تحریک کے مکمل احیا اور 'وحدانی ارتقائی اسلامی نظام تعلیم' کی کوششوں کو پوری طرح (Optimally) ثمر آور (Productive) بنانے کے لئے سب سے پہلے اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ اپنی موجودہ 'جان کنی' کی حالت سے باہر نکل آئے اور اس کی صحت کم از کم Stabileze ہو جائے، اس Clinical تدبیر کی نوعیت دراصل مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ کے جسم میں جان بچانے والی ادویہ (Life Saving Medicatiom) پہنچانے اور ایسی تدابیر اختیار کرنے کی ہے تا کہ وہ ان مہلک اور مضر صحت عوامل کو فوری طور پر بے اثر (Neutralize) کر سکے جو یونیورسٹی کو سرعت کے ساتھ موت کی آغوش میں لے جا رہے ہیں، اس حوالے سے فی الفور دو اقدام کئے جائیں:

ا۔ مدارس کے Recognition اور Affiliatiom کا خاتمہ:

ابتدا سے انتہا تک، ہر سطح اور ہر شعبے سے، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے مدارس (بلاتفریق تمام مدارس خواہ وہ درس نظامی والے مدارس ہوں یا دیگر نصاب کے مدارس) سے کلی انقطاع (Total Disconnectiom & Desengagement) کو یقینی بنایا جائے، چنانچہ تمام 'مدارس' جن کا وہاں کسی بھی اعتبار سے بالواسطہ یا بلاواسطہ Recognition اور Affiliatiom ہے اسے فی الفور علے الاطلاق اور بلا استثناء کالعدم قرار دے دیا جائے، اس بات کو بھی یقینی بنایا جائے کہ علانیہ، خفیہ، بلا واسطہ یا بالواسطہ 'مدارس' سے فارغ کوئی بھی طالب علم یا استاد پرائمری سطح سے D. Litt تک سطح میں یونیورسٹی میں داخلہ نہ لے سکے۔

۲۔ذمہ دارانِ مدارس کو آگاہی:

اس حتمی اقدام کے ساتھ ساتھ اس بات کی شدید اور فی الفور ضرورت ہے کہ مسلم یونیورسٹی ،علی گڑھ کے ذمہ داران 'مدارس' کے ذمہ داران کو آگاہ کریں کہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا مدارس کے تعلق سے یہ اقدام قطعاً معاندانہ (Hostile)، تفریقی (Discriminatory)، فرقہ وارانہ (Communal)، طبقاتی (Sectional)، مسلکی (Sectarian) اور جارحانہ (Aggressive) نہیں ہے، یہ اقدام سراسر طبی (Pathological)، منطقی (Logical) اور معقول (Rational) ہے، اس کا واحد مقصد ایک مکمل 'واحدانی ارتقائی اسلامی نظامِ تعلیم ،وضع کرنے کی کوشش کو یقینی بنانا اور جلد از جلد اس کے ہدف کو پورا کرنا ہے۔

انہیں رضا کارانہ، خیر خواہانہ اور بلا طلب یہ مشورہ بھی دیا جاسکتا ہے بلکہ دیا جانا چاہیے کہ اگر وہ چاہیں تو وہ بھی اپنے طور پر اپنی صوابدید سے 'مدارس' میں اسی طرح ابتدا سے انتہا تک ایک 'جامع مکمل اسلامی نظام تعلیم' جسے وہ اپنے طور پر احسن اور انسب سمجھتے ہوں وضع کرنے کی کوشش کریں، انہیں اس سے بھی آگاہ کیا جائے کہ ہم اس حوالے سے جامع 'وحدانی ارتقائی اسلامی نظام تعلیم' وضع کرنے کے لئے 'خارجی مدد' کے بطور حکومت ہند سے درخواست کرنے اور ان کا تعاون لینے جارہے ہیں اگر وہ بھی مناسب سمجھیں تو اس طرح کے اقدام اپنے طور پر کر سکتے ہیں۔''

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص:۲۰۲ تا ۲۰۳)

تبلیغی جماعت کا تجزیہ بھی یہی بتاتا ہے کہ اس کو بھی علماء نے تباہ و برباد کیا۔

''ان تمام باتوں کا سب سے خطرناک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مسلم معاشرے کی ہیئتِ ترکیبی میں ایسا انقلاب آیا جو شاید چنگیز، ہلاکو اور نادر شاہ کے حملوں سے بھی مسلم معاشرے میں نہ آسکا تھا، کسی بھی قوم کے جسد کے تین افقی حصے ہوتے ہیں، یوں تو سب اہم ہیں لیکن سب سے اہم متوسط حصہ ہوتا ہے جو جسم میں کمر کی مانند ہے، مسلم معاشرے کا متوسط طبقہ اس کی کمر کے مانند تھا، تبلیغی جماعت نے مسلم معاشرے کو ہیکل کو Upside Down کر کے رکھ دیا، چنانچہ امت کی کمر ہی ٹوٹ کر رہ گئی، اس کا اندازہ اگلے پچاس سالوں میں بخوبی ہو جائے گا، لیکن سب سے بڑا سوال یہ ہے

کہ آخر ایسا ہوا کیوں؟ ان تمام باتوں کی جڑ کہاں ہے؟ تبلیغی جماعت کی کارکردگی کا غائر مطالعہ اور تجزیہ یہ بتاتے ہیں کہ اس کا سبب خود اس تحریک کی تعمیر میں ایک مضمر خرابی تھا، تعمیر میں وہ مضمر خرابی تھی: ''اس تحریک کے بانی مبانی اور ان کے تمام اجل رفقا کا خود طبقۂ علماء سے ہونا''، چنانچہ اس تحریک کے تمام عُمد (Pillars) 'مدارس' کے فارغین تھے، ان کی فکر اور ان کا فکری افق، علم اور علمی عمق، عمل اور عملی میدان، ذہن اور ذہنی سعت، پسند اور ناپسند اور ان کے سارے اوزان دعیارات 'مدرسہ' کے ماحول میں تشکیل پائے ہوئے تھے، چنانچہ ہر چند کہ انہوں نے تین اہداف مقرر فرمائے لیکن ان کے لاشعور میں صرف تیسرا ہدف حاوی تھا، چنانچہ ان کا سارا زور تیسرے ہدف پر رہا، لیکن چونکہ وہ شعور کی سطح پر تین اہداف رکھتے تھے چنانچہ ان کے شعور نے تیسرے 'معمول' کو 'معمول' رہنے نہیں دیا بلکہ 'معمول' کو 'عامل' اور 'جارحہ' بنا دینا چاہا۔''

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص: ۲۱۳)

یہی غلطی جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودیؒ سے ہوئی، وہ علماء کو قریب کرنے میں لگے، اسی میں ان کی تباہی مضمر تھی۔

''مولانا مودودی کی پہلی غلط فہمی خود ایک خاص نقطۂ نظر کا نتیجہ تھی، مولانا مودودی 'علماء' کو لاشعوری طور پر معیارِ حق، معیارِ اسلام اور معیارِ مطلوب سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ ان کے پاس ایسے وزنی دلائل اور محکم ثبوت ہیں کہ 'علماء' ان کے ہم خیال ہو جائیں گے، ان کو اس کا یقین تھا کہ وہ 'علماء' کو مطمئن کر لیں گے، قرآن و احادیث کا ان کا وسیع مطالعہ انہیں یقین دلا رہا تھا کہ ان کی دعوت پر 'علماء' کا بڑا طبقہ ان کی آواز پر لبیک کہہ دے گا، اسی خیال نے غالباً ان کی تحریر کو لاشعوری طور پر 'علماء' موجّہ، (Ulama Oriented) بنا دیا، ہمہ وقت 'علماء موجّہ' ہونے کی کیفیت نے انہیں لاشعوری طور پر 'علماء' کی طرح سوچنے والا بنا دیا، 'علماء' نے تو انہیں پہلے ہی طعن و تشنیع سے وضع و قطع میں قبلہ نما بنا دیا تھا، تحریک کے قیام کے پہلے سال سے ہی وہ اندرونی اور بیرونی دونوں محاذوں پر 'علماء' کی تحدی (Threat) کی زد پر رہے، اندورنی اور بیرونی 'علماء' کے نشانے کی زد پر ان کی زندگی 'علماء نہاد' (ulama Typed) بن کر رہ گئی چنانچہ ایسی حالت میں وہ قرآن و سنت کا Simulation کرنا تو دور کی بات

قرآن وسنت میں جمہور سے الگ ہٹ کر غور کرنے کی جرائت بھی کیسے کر سکتے تھے لہذا وہ قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور 'دہر' کے مابین درست تطبیق کرنے سے قاصر رہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن اور سنت رسول ﷺ کی گہرائیوں تک وہ صرف 'علماء' کے سبب پہنچنے سے قاصر رہے، کاش انہوں نے 'علماء' کا خیال اپنے ذہن سے نکال دیا ہوتا اور یک سو ہو کر صرف عصری علوم کے حاملین، تعلیم گاہوں اور زندگی کے ان شعبوں کو اپنا میدانِ کار بنایا ہوتا جہاں صرف عصری علوم کے افراد کی نمائندگی ہوتی تھی تو آج معاشرہ ان کی تحریک کے لئے غیر معمولی امکانات کا نقشہ پیش کر رہا ہوتا۔''

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف: اسرار عالم ص:۲۱۹)

غلطی کی ابتدا سرسید سے ہوئی تھی، کہ وہ بھی غلطی سے مولوی تھے، اور مولویوں کے چکر میں گرفتار ہو گئے، لیکن نیا اسلام آنے والا ہے جس میں کوئی عالم اور مولوی نہ ہوگا، سب ہی بڑ بڑانے والے مجذوب ہوں گے، بس اس آخری بصیرت کو بھی پڑھ لیجئے اور اختتام کیجئے، سمع خراشی معاف۔

''یہ دیکھ کر از حد حیرت ہوتی ہے کہ کم وبیش ایسا ہی تسامح سرسید جیسی عبقری ہستی سے بھی ہوا، جب اینگلو محمڈن اورینٹل کالج میں 'وحدانی ارتقائی اسلامی نظام تعلیم' وضع کرنے کی ان کی عملی کوششیں 'علماء' کی مخالفت کا باعث بنیں یا انہیں ایسا لگا تو اپنے اصل خاکے سے پیچھے ہٹتے ہوئے محض 'مصالحت' کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے مولانا محمد اکبر کاندھلوی کو علیگڑھ میں شعبۂ دینیات کا ذمہ دار اور پھر چند دنوں بعد باضابطہ مولانا عبداللہ (داماد مولانا قاسم نانوتوی) کو ناظم دینیات بنادیا، ممکن ہے بات صرف مصالحت کی نہ ہو، اس لئے کہ کچھ اور بھی باتوں اور پہلوؤں کے 'سراغ' ملتے ہیں، ممکن ہے سرسید کو اس کے لئے مجبور کیا گیا ہو، یا ممکن ہے سرسید نے دفع ضرر کے لئے ایسا کیا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ سرسید نے أھون البلیتین کا راستہ اختیار کیا ہو، لیکن ایسا فیصلہ بہر حال ان کے لیے از حد مہلک ثابت ہوا۔

حقیقی اسلام کے احیا اور 'وحدانی ارتقائی اسلامی نظامِ تعلیم' کی تشکیل میں مدارس کے فارغ 'علماء' کی شمولیت اور شراکت غیر ضروری

(Unnecessary) ہی نہیں بلکہ مہلک (Fatal) بھی ہے، آنحضورﷺ کی خبر کے مطابق 'اجنبی بنا دیئے جانے والے یا ہو جانے والے اسلام' کے پلٹ آنے کا وقت قریب آچکا ہے، اب ربیائی اسلام کے اس پشتارۂ علم کا جو قرآن وسنت رسول اللہﷺ کے علی الرغم دراصل ربیائی یہودیت (اور ربیائی نصرانیت (Rabbinic Christianity) کی تشکیل جدید تھا۔۔۔کیا کام؟''

(''سرسید کی بصیرت'' مصنف:اسرار عالم ص:۲۲۱)

یہ ہے اس مجذوب دانشور کا آخری اعلان

بیچارہ غریب اسلام پھر ظہور پذیر ہونے والا ہے،اس کا نبی اسرار عالم کی مالیخولیائی شخصیت ہوگی، اس میں علماء ومشائخ کو کچل دیا ہوگا، مدارس اور دینی جماعتیں ختم کردی گئی ہوں گی، مجذوب دانشوروں کی بھیڑ ہوگی، اور حکومت کی امداد سے اس غریب اسلام کا جامع نظام تعلیم چلایا جائے گا۔

انتظار کیجئے، اس صبح امید کا، اور مطالعہ کیجئے ''سرسید کی بصیرت'' کا۔

خدا حافظ

راشد شاذ صاحب کی کتاب
''متحدہ اسلام کا منشور'' -ایک جائزہ

مولانا سلمان حسینی ندوی

''متحدہ اسلام کا منشور'' نامی ایک رسالہ جناب راشد شاذ صاحب کا موصول ہوا، انہوں نے جن دنوں ملی پارلیمنٹ قائم فرمائی تھی، اس وقت سے میں ان کی تحریریں پڑھ رہا ہوں، ایک سال پہلے ''کتاب العروج'' بڑی ضخیم وحسین ملی تھی، اس کو بھی پڑھ لیا تھا، اور یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ رخ کدھر جارہا ہے، دوراستے الگ الگ ہوتے جارہے ہیں ۔

سارت مشرقة وسرت مغربا

شتان بين مشرق ومغرب

دوضدوں کی طرف سفر درپیش ہے، شاذ صاحب اپنے پورے ''شذوذ'' کے ساتھ مغرب کی طرف جارہے ہیں، تو جماعت مسلمین اپنے پورے اجماع کے ساتھ مشرق کی طرف جارہی ہے۔
میں نے ان کی تحریر بہت توجہ سے پڑھی، پھر میرا کچھ اس طرح احساس ہوا کہ ہر چھری چاقو والا سوچے کہ میں آپریشن روم میں آپریشن بھی کرسکتا ہوں اور چاول اور تیل والا ہر بنیا یہ سوچے کہ میں بہترین بریانی بھی بنا سکتا ہوں اور کپڑا بیچنے والا ہر تاجر یہ سمجھنے لگے کہ میں اچھے سوٹ بھی سی سکتا ہوں اور لکڑی چیرنے والا ہر مزدور یہ سمجھے کہ میں فرنیچر بھی تیار کرسکتا ہوں، تو کیا حشر ہوگا، آپ ہی بتائیے!

راشد شاذ صاحب اجتماع ضدین کی بڑی عجیب مثال ہیں، ''راشد'' کی تو وہ مکمل ضد ہیں، اور ''شاذ'' میں اسم بامسمی - ان کا شذوذ، عقائد میں، شریعت میں، تاریخ میں سیرت میں، فکر اسلامی میں، غرض کہ ہر چیز میں ہے۔

ڈائنامائٹ سے عمارتوں کو اڑاتے انہوں نے بلڈرز (Builders) کو دیکھا تو اپنے پٹاخوں کی دوکان سے ایک پورے محل کو گرانے کا فیصلہ کرلیا، نتیجتاً پٹاخوں کی دوکان بھی گئی، اور محل کے جابجا حصوں کو جھلسا بھی دیا گیا۔

رسالہ پڑھتے پڑھتے ایسا لگا کہ کسی نمائش گاہ میں راشد صاحب داخل ہوگئے، اور رنگا رنگ دوکانوں کو دیکھ کر ان کو سرکس اور اسکے اندھے کنوئیں کا کھیل یاد آ گیا، اور انہوں نے بے تحاشا اپنی موٹر سائیکل نمائش کی دکانوں سے گذارنا شروع کردی، نمائش سرکس تو کیا

بنتی، تباہی و بربادی کی کہانی بن گئی!!

تعمیر کے جذبہ وارادہ سے شاذ صاحب پھاوڑے اور کدالیں لے کر آگے بڑھے اور جوشِ جنون میں پورا شہر کھنڈر میں تبدیل کر کے چھوڑا، تعمیر کا سامان نہیں ہے، اور ملبہ ہٹانے کا بھی انتظام نہیں ہے، اب نہ شہر رہا اور نہ آئندہ کسی آبادی کا امکان!

آیئے پہلے راشد صاحب کی تحقیقات پر نگاہ ڈال لیجئے:

۱- ''مسجدیں ہوں یا مدرسے.. یہ دراصل توحید کے مراکز نہیں بلکہ شرک وفرقہ پرستی کے اڈے ہیں، جو عین مسلم معاشرہ کے اندر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں'' (ص ۶)

۲- ''فقہی اور کلامی موشگافیوں کے سبب ہم ائمہ اربعہ کے خیموں میں منقسم ہوگئے اور شافعیوں اور حنفیوں کے سبب ہمارا ملی وجود لہولہان ہوگیا'' (ص ۸)

۳- ''دینی درسگاہیں ہوں یا وعظ وارشاد کی مجلسیں، تبلیغ و تعلم کا غلغلہ ہو، یا ذاکروں کی معجز بیانیاں، بہ نظرِ غائر دیکھئے تو صاف محسوس ہوگا کہ یہ سب لوگ دراصل اسلام کی آفاقی دعوت سے منہ موڑ کر، بلکہ اس کی تکذیب کرتے ہوئے، فرقہ بندی اور گروہی تعصّبات کی جوت جگا رہے ہیں''۔

۴- ''افغانی کے شاگردوں، اقبال کے مداحوں، حسن البنا، مولانا الیاس اور ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریکوں نے اس انحراف کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی دعوت نہ دی۔ (ص ۲۰)

۵- ''شاہ ولی اللہ اس خیال باطل سے اپنا پیچھا نہ چھڑا سکے کہ فقہائے اربعہ کا ظہور ایک اعتبار سے من جانب اللہ ہے، (ص ۲۰)

۶- ''چوتھی صدی کے پہلے ربع میں شیعوں نے اپنی روایات کے مجموعے الگ کر لئے تو ان متروکہ کتابوں کو سنی مآخذ حدیث کی حیثیت حاصل ہوگئی'' (ص ۲۵)

۷- ''آخر یہ کیسے ہوا کہ ابوالحسن اشعری کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ سنی اسلام کے شارح اور ترجمان بن جائیں (ص ۳۲)

۸- ''اشعری ہوں یا ماتریدی، واصل بن عطا ہوں یا خلیفہ مامون اور ابن حنبل، عقائد کی بحث میں

ان سبھوں نے حدود سے تجاوز کیا ہے'' (ص ۳۲)

۹-''کہاں حالات وظروف کی تبدیلی کے سبب نظائر رسول بدل ڈالنے کی ضرورت کا احساس اور کہاں شامی اورالکاسانی کی تحریروں میں غایت شرع کی تلاش کی مذموم کوشش! (ص ۲۸)

۱۰-''دین اسلام میں نئی مشیخیت کے ظہور سے وحی ربانی کے گرد انسانی تشریحات وتعبیرات کا ایک حصار قائم ہوگیا، عام انسانوں پر قرآن مجید کے صفحات بند ہوگئے'' (ص ۳۸)

۱۱-''گذشتہ چند صدیوں سے تجدید واحیاء کی جتنی کوششیں ہوئی ہیں، ان کی حیثیت دراصل منحرف اور تراشیدہ تاریخی اسلام کو ہی رنگ وروغن فراہم کرنے کی ہے'' (ص ۳۹)

۱۲-''تم علوم القرآن کے نام پر مختلف قسم کی اختلافی قراءتوں، ناسخ ومنسوخ کی لاطائل بحثوں، شان نزول کی متضاد روایتوں، سبعہ احرف کی ناقابل فہم باتوں، فضائل وقوارع کی بے اصل حکایتوں، اور وفق ونقوش کے مکروہ کاروبار کو عرصہ ہائے دراز سے اپنی درسگاہوں میں پڑھارہے ہو، یہ سب تمہارے تراشیدہ علوم ہیں'' (ص ۳۹)

۱۳-''شافعی کے ''الرسالۃ'' سے شروع ہونے والا سفر جو بالآخر تقسیم خلافت اور اس کے اضمحلال کے جھٹپٹے میں علمائے اسلام کے ادارہ کی شکل میں منتج ہوا، دین اسلام میں اتنی بڑی بدعت تھی جس نے اسلام جیسے حیات افزا دین کو ایک منجمد اور بے روح مذہب میں تبدیل کردیا'' (ص ۴۰)

۱۴-''فقہ کے ان اصول اربعہ کے ہیبت ہمارے شارحین پر کچھ اس قدر ہے کہ اس کی حمایت میں عصمت قرآن کا دامن بھی ان کے ہاتھوں سے بسا اوقات چھوٹ جاتا ہے'' (۴۲)

۱۵-''اس بات کے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ معین الدین چشتی، قطب الدین بختیار کاکی، اور اس قبیل کے دوسرے بہت سے بزرگوں کا (ملتان کی چھوٹی سی) اسماعیلی ولایت میں بار بار آنا جانا لگا رہا، عثمان ہارونی، بہاء الدین زکریا، نظام الدین اولیاء، علی ہجویری، بابا فرید، اشہباز قلندر اور اس طرح کے جتنے بڑے نام ہیں یہ سب لوگ دراصل جلیل القدر اور پرعزم اسماعیلی داعی تھے، جو فاطمی سادات کی اسماعیلی ریاست کو وسعت اور استحکام عطا کرنے کے خفیہ مشن پر مامور تھے، اسلام کا جو تصور ان

صوفیاء کے ذریعہ پہونچا وہ دین کی غلو آمیز اسماعیلی تعبیر تھی جس کی بنیاد تفضیل علی، پنجتن، ہمہ اوست، اور تصرفات نگہ پیر علوی پر رکھی گئی تھی'' (ص۲۴-۲۵)

۱۶-''ہمارے تاریخ کے بیشتر بزرگ جو اپنے لئے محی الدین کا لفظ استعمال کرتے ہیں، مثلا ابن عربی یا عبدالقادر جیلانی، ان کی تحریر و تقریر اور چلت پھرت پر فاطمی حوالہ خاصا نمایاں ہے، مولانا روم کا اسماعیلی نظام دعوت میں خاصا بڑا مقام ہے، شہرستانی جو بظاہر سنّی فکر میں ایک جلیل القدر عالم کی حیثیت سے دیکھے جاتے ہیں، وہ بھی بباطن اسماعیلی نظام دعوت میں داعی الدعاۃ کے منصب پر فائز ہیں، عطار، سعدی، شبستری، نسفی، جیسے عبقری جنہوں نے سنی مسلم ذہن کی تشکیل میں اہم رول انجام دیا ہے، ان کی تحریریں بھی پوشیدہ اسماعیلی تعلق کا پتہ دیتی ہیں'' (ص۴۵-۴۶)

۱۷-''روحانی خلافت یا پیری مریدی کا یہ کاروبار ایک سیاسی تحریک کا بچا کھچا تلچھٹ ہے، جسے وحی ربانی اور اسلام کی فطری ثقافت سے دور کا بھی علاقہ نہیں'' (ص۴۶)

۱۸-''ہمارے بعض موقر علماء کرام نے جن میں اکثر اسی منحرف اور زوال زدہ سلسلوں کے پروردہ اور رہین منت تھے، اس خیالی خلافت کو نہ صرف یہ اعتبار بخشا، بلکہ خود بھی اس لغو عمل میں شریک و سہیم رہے'' (ص۴۸)

۱۹-''جو لوگ خود کو سادات کہتے یا کہلاتے ہیں، وہ ہاشمی اور مطلبی تو ہو سکتے ہیں ان کا تعلق ابوطالب، ابوجہل اور عباس و حمزہ کے خانوادوں سے تو ہو سکتا ہے لیکن محمد رسول اللہ سے نہیں'' (ص۵۰)

۲۰-''حضرت فاطمہ دیو مالائی پیکر کی حامل ہیں، حضرت حسن و حسین کو جنم دینے کے باوجود انہیں بتول یعنی باکرہ قرار دیا جاتا ہے'' (ص۵۱)

۲۱-''رہے ہند و پاک کے سادات تو اس بارے میں تاریخی شہادت موجود ہے کہ ان میں سے بیشتر محمد الکابلی کی اولاد میں سے ہیں، جو حسنی و حسینی سلسلہ کے بجائے محمد بن حنفیہ یعنی حضرت علی کی غیر فاطمی اولاد میں تھے'' (ص۵۲)

۲۲-''ہند و پاک کے مختلف صوفیاء اپنے اپنے زمانہ میں پوشیدہ اسماعیلی داعیوں کے طور پر

ہندوستان میں وارد ہوتے رہے'' (ص ۵۲)

۲۳-''یہ دعوی کہاں تک حق بجانب ہے کہ سنت صحاح ستہ میں جلوہ گر ہے'' (ص ۵۷)

۲۴-''بخاری ہوں یا مسلم، کلینی ہوں یا ابن بابویہ، اللہ تعالی نے انہیں سنت کی تجمیع وتدوین پر مامور نہیں کیا تھا (ص ۶۱)

۲۵-''سنت اگر نظائر رسول کا نام ہے اور اگر اس سے مراد رسول اللہ کے عملی اقدامات ہیں تو یہ ایک مسلسل نمو پذیر عمل ہے جسکی ظاہری شکل وصورت، ظروف ومکان کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی جائے گی........اصحاب نبی کی نگاہیں ظواہر سنت کے بجائے روح سنت پر مرکوز تھیں'' (ص ۶۲)

۲۶-''سنیوں نے شیعوں کے متروکہ مجموعوں کو صحاح ستہ کا تقدیسی مقام عطا کر دیا'' (ص ۶۴)

۲۷-''علوم شرعیہ کی اصطلاح جس نے ہمارے ہاں دینی اور دنیوی علوم کی ثنویت کے غیر قرآنی تصور کو عام کرنے میں اہم رول انجام دیا ہے، اس کے ذکر سے قرآن وحدیث کے صفحات خالی ہیں، ابوعبداللہ الکاتب الخوارزمی (متوفی ۳۸۷ھ) نے پہلی مرتبہ علوم شرعیہ کی اصطلاح استعمال کی'' (ص ۷۲)

۲۸-''ائمہ اربعہ کے دواوین ان کی جلالت علمی کے سبب قابل استفادہ ضرور سمجھے جائیں گے، البتہ ان کے ساتھ ہی شیعی، اسماعیلی، اباضی اور ان تمام گروہوں کی تعبیری کتابیں بھی ہماری توجہ کی یکساں مستحق ہوں گی، (ص ۷۷)

یہ چند نمونے ہیں ''شاذ'' صاحب کی تحقیقات کے!

ظاہر ہے کہ نئی عمارت بنانے سے پہلے پچھلی عمارتوں کا توڑنا ضروری تھا، اسلئے اب تک کا نظام دین پوری طرح ڈھا دیا گیا، نہ تاریخ رہی، نہ فقہ وشریعت، نہ سنت وحدیث رہی، نہ تفسیر وکلامیات، متکلمین، مفسرین، محدثین، فقہاء، مفکرین، مصلحین ومجددین کی عمارتیں ایک ایک کر کے ڈھا دی گئیں۔

ایک بے چارا قرآن باقی رہ گیا ہے لیکن اس کی قراءتیں ختم، اس کی تفسیریں دریا برد،

اس کی روایتیں بے اصل، اس کے حاملین مردود قرار دے دئے گئے، اور ظاہر ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ اور اسماعیلی فرقہ کی کتابوں کو کیونکہ بخاری و مسلم کی صحاح جیسا درجہ حاصل ہے اس لئے قرآن بھی کہاں رہ گیا!

اب چاروں طرف ملبہ ہی ملبہ ہے، گذرنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا ہے، راشد صاحب سے درخواست ہے کہ آپ نے ڈائنامائٹ استعمال کرنے میں جلدی کر دی، ملبہ اٹھانے والی مشینیں بھی ہونی چاہیے تھی، اور پھر اگلی تعمیر کے انتظامات بھی!

ظاہر ہے کہ مدرسہ اور مسجدیں شرک کے اڈے ہیں اور مسجدوں کے امام شرک کے مجاور، اور مدرسین مدارس، شرک کے محافظ، مدرسوں سے آپ کے تعلق کا تو کوئی مسئلہ نہیں، آپ کو اب وہاں پڑھنا نہیں ہے، اولادوذریت کو پڑھانا نہیں ہے، لیکن کیا مسجدوں اور عیدگاہ میں جناب والا مشرکوں کے پیچھے، شرک کے اڈوں میں نماز تو نہیں پڑھتے ؟! توقع اس صاف اور بے لاگ تبصرہ کے بعد تو یہی ہے کہ کبھی قریب بھی کسی مسجد کے نہ پھٹکتے ہوں گے، اور مدرسہ کے قریب سے گذرنا بھی طبیعت کے لئے سوہان روح ہوتا ہوگا۔

''شاذ صاحب'' آپ کے لئے تو کوئی مسئلہ نہیں کہ آپ ''شاذ'' ٹھہرے، آپ قرآن کی روشنی میں طہارت، نماز، روزہ، شادی بیاہ، خرید وفروخت، اور زندگی کی دیگر ضروریات سے گذر جاتے ہوں گے، ظاہر ہے کہ ''مشرک اور کافر'' معاشرہ سے آپ کا کوئی تعلق بھی نہ ہوگا کیونکہ پورا معاشرہ مولویوں، اماموں، قاریوں، مفتیوں، اور صوفیوں کے چکر میں پھنسا ہوا ہے، آپ کی رہائش کے آس پڑوس میں مسجد، مکتب، مدرسہ اور دینی دعوتی چلت پھرت سے آپ بے انتہا پریشان ہوں گے، ممکن ہے کہ آپ کا خاندان، اور گھر کے افراد بھی کسی مولوی، امام، اور صوفی سے دوروقریب سے متاثر ہوں، جلد از جلد ان کی تطہیر کا عمل بھی آپ کو کرنا ہوگا۔

براہ کرم اب جلد از جلد وہ نقشہ بھی تیار کر دیں جس کے مطابق نئی کالونی بسائی جائیگی، جس کا تعلق عہد نبوی سے ہوگا اور وہاں مزدور، قلی، باورچی، موچی، مستری، مسٹر اور ماسٹر سب قرآن کے ماہر ہوں گے، ڈائرکٹ قرآن کی روشنی میں الگ مسجدوں میں نئے اماموں

کے پیچھے ان کی نمازیں ہوں گی، بے شمار مسلم بچے بچیاں اب صرف عیسائی اور ہندو اسکولوں میں پڑھیں گے، کیونکہ مسلم اسکولز اور کالجز چلانے والے بھی سب مولویوں، مفتیوں، صوفیوں سے بندھے ہوئے ہیں۔

تمدنی نظام آپ کی بستی کا کیا ہوگا، لوگوں کی عبادتیں کون کون سی ہوں گی، اور ان کی تفصیلات کیا ہوں گی، مسائل میں مفتیوں کا دخل جب روک دیا جائے گا، تو کیا صورت ہوگی، مسئلے پیش نہیں آئیں گے، یا پوچھے نہیں جائیں گے، یا قرآن سے براہ راست ہر فرد مسئلہ حل کر لے گا۔

جناب والا کی اس آبادی میں کیا حیثیت ہوگی، استاد ہوں گے یا مربی، امام ہوں گے یا مفتی، قاضی ہوں گے یا حاکم، خلیفہ ہوں گے یا مہدی برحق؟؟

موجودہ آبادی تو چونکہ سب کی سب مشرک ہے، اس میں نہ دیوبندی بچا، نہ بریلوی، نہ سلفی نہ خلفی، تو نئی آبادی کہاں سے لائی جائے گی یا کسی نئی نسل کا انتظار ہوگا، اور وہ کن کے گھر پیدا ہوگی، انہیں مشرکین کے گھروں سے فراہم کیا جائے گا، یا کئی نسلوں تک جناب والا کو انتظار کرنا پڑے گا؟؟

تخریب کے عمل میں راشد صاحب! آپ نے ان تمام سوالات کے تشفی بخش جوابات ضرور سوچ رکھے ہوں گے، ''متحدہ اسلام کا منشور'' تو ہم نے دیکھ لیا، جس کے پیچھے دھماکوں اور پٹاخوں کا شور تو خوب سنائی دیا، لیکن اس کے بعد سوائے مناظر تخریب کے اور ہر طرف ملبہ کے کچھ نظر نہیں آرہا ہے!!

براہ کرم جلد از جلد اپنے ''شاذ اسلام'' کی عمارت کھڑی کیجئے، بستی بسائیے اور لوگوں کو اس کے دیدار کیلئے بلائیے!!

شکریہ، زحمتِ تخریب کا، ''بوسیدہ عمارت'' گرادی، باشندگان شہر ملبہ اور کوڑے کی صفائی کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں، عملہ روانہ فرمائیں، اور راحت کا انتظام فرمائیں!!

❁❁❁